الفضل الموہبی

فی معنی اذاصح الحدیث فھو مذہبی

المعروف

ردغیر مقلدین

مصنف:



اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن

ترجمہ و تسہیل:



مفتی محمد قاسم عطاری رضوی



مصدقہ:
المدینۃ العلمیۃ

باہتمام:
امجد علی مدنی
(قزوینی)

ناشر:
صدیقی پبلشرز

٧٨٦

٩٢

الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ

مجلس برائے تفتیش کتب

تاریخ: ۱۴ شوال المکرم ۱۴۲۳ھ　　　حوالہ: ۰۴۲

تصدیق نامہ

الحمد للہ عزوجل تصدیق کی جاتی ہے کہ کتاب

”رَدِّ غیر مقلدین“

پر المدینۃ العلمیۃ کے ماتحت، مجلسِ تفتیش کتب ورسائل کی جانب سے حتی الامکان احتیاط وتوجہ کے ساتھ نظرِ ثانی کی گئی ہے۔ مجلس نے اس کتاب کو عقائد، کفریہ عبارات، اخلاقیات، فقہی مسائل اور عربی عبارات وغیرہ کے حوالے سے مقدور بھر ملاحظہ کرلیا ہے۔



تقریظِ جمیل

سرمایۂ اہلِ سنت، بقیۃ السلف، امام المناظرین، شیخ القران والحدیث حضرت علامہ مولانا مفتی منظور احمد صاحب فیضی (اَدَامَ اللّٰہُ فُیُوضَہٗ عَلَیْنَا وَ کَثَّرَ اللّٰہُ اَمْثَالَہٗ فِیْنَا)

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی رحمۃ للعالمین وعلی آلہ و اصحابہ اجمعین وعلی آئمۃ المجتھدین

برادرانِ اسلام! شیخ الاسلام والمسلمین فقیہ اعظم محدث اکرم امام احمد رضا رضی اللہ تعالی عنہ نے مطلق العنان افراد اور اتباع آئمہ سے منحرفین اشخاص کے ایمان واعمال کی اصلاح کے لئے ایک زبردست تحقیقی رسالہ مسمی بنام الفضل الموھبی فی معنی اذاصح الحدیث فھو مذھبی تصنیف فرمایا تھا جس میں فن حدیث کے حوالہ سے کم علموں کا منہ بند کر دیا۔ اور انعام والے لوگوں کے راستہ پر چلا کر صراط مستقیم کی وضاحت فرمائی تھی۔ اللہ تعالی ہمارے عزیز محترم فاضل محتشم مولانا محمد قاسم صاحب زید علمہ و رشدہ کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ آپ نے اس رسالہ کو عام فہم کر کے لوگوں کو مطلق العنانی سے محفوظ رکھنے کی سعی جمیل کی ہے جزاھما اللہ تعالی خیرالجزاء .

رقمہ محمد منظور احمد فیضی مہتمم جامعہ فیضیہ رضویہ وفیض الاسلام احمد پور شرقیہ ضلع بہاول پور حال خویدم الحدیث جامعۃ المدینۃ گلستان جوہر کراچی. شب ۱۹ شوال ۱۴۲۳ھ

مقدمہ

ازقلم:۔ مولانا محمد یوسف العطاری المدنی (اَطَالَ اللّٰہُ عُمْرَہٗ)

پیارے اور محترم قارئین! یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اللہ عزوجل نے قرآن عظیم میں ہر چھوٹی، بڑی، خشک وتر شے کا ذکر فرما دیا ہے اور یہ بات بھی کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ قرآن کریم میں ہمیں بے شمار باتیں باوجود تلاش بسیار کے نہیں مل پاتیں مثلاً زکوۃ کا نصاب، فرض، واجب، سنت اور نوافل کی رکعتوں کی تعداد اور انھیں ادا کرنے کی کیفیت، قربانی کا طریقہ، بیع وشراء کے تفصیلی احکامات حکومت وسیاست، تمدن ومعاشرت کی جزئیات وتفصیلات وغیرہا۔

بات دراصل یہ ہے کہ قرآن عظیم چونکہ ہر شخص پر نازل نہیں کیا گیا بلکہ مشیت الٰہی عزوجل یہی تھی کہ قرآن پاک کے جملہ علوم ومعارف حضور پرنور شافع یوم نشور، سرور دو عالم، نور مجسم، تاجدار عرب وعجم، شاہ بنی آدم، سرکار ذی وقار جناب احمد مختار ﷺ کو سکھائے جائیں اور پھر دوسرے لوگ آپ ﷺ کی بارگاہ میں اپنی جبینِ نیاز جھکا کر علوم ومعاوف سے اپنی جھولیاں بھرتے جائیں چنانچہ شہنشاہ کائنات حضور فخر موجودات ﷺ نے قرآنی اجمال کی تفسیر اپنی زبان حق ترجمان سے فرمائی اور اپنے جان نثار صحابہ کرام علیہم الرضوان کو زمانے بھر کے لئے ہدایت کے درخشندہ ستارے بنا دیا ان سے ہدایت کا یہ نور تابعین، اکابر علمائے دین اور اولیائے کرام علیہم الرحمۃ نے حاصل کیا اور اپنی تصنیفات کے ذریعے رہتی دنیا کے مسلمانوں

کے لئے اس کے فیض کو عام کر دیا ان تمام باتوں کے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ دراصل نور ہدایت وہی ہے جس کا سرچشمہ حضور ﷺ ہیں اور اسے عامۃ المسلمین تک پہنچانے والے اکابر علماء اور اولیائے کرام علیہم الرضوان ہیں ورنہ آج اگر کوئی محض قرآن پاک کا اردو، فارسی یا انگریزی ترجمہ پڑھ کر محض اپنی قوتِ تخیل کے بل بوتے پر حقیقت کا سراغ لگانا چاہے اور اسلاف کرام علیہم الرضوان کا دامن جھٹک کر صرف اپنی ننھی سی کھوپڑی پر بھروسہ کرے تو اسے راہ حق سے بھٹکنے میں ایک لمحہ کی تاخیر بھی نہیں ہوگی اور نفسِ امارہ اور شیطان لعین اسے اسطرح اپنے شکنجے میں لے لیں گے کہ پھر شاید موت آنے تک اس کی آنکھیں خواب غفلت سے بوجھل ہی رہیں گی اور دنیا کی کوئی طاقت اسے تباہی وبربادی سے نہیں بچا سکے گی۔

دوسری بات یہ ہے کہ قرآن وحدیث کو سمجھنے کے لئے محض اپنی عقل اور لفظی ترجے کو معیار بنانا پرلے درجے کی بے توفی ہے اگر ایسی بات ہوتی تو صحابہ کرام علیہم الرضوان جو کہ اہل زبان تھے وہ سب کے سب منشائے قرآن خود سمجھ جاتے اور حضور ﷺ کو کسی بات کی بھی وضاحت نہ فرمانی پڑتی۔ تیسری اور اہم ترین بات یہ ہے کہ حضور آقائے دو عالم ﷺ چونکہ افصح العرب ہیں یعنی عرب وعجم میں حضور ﷺ جیسا قادر الکلام اور کم الفاظ میں بے شمار نکات بیان کرنے والا کوئی پیدا ہی نہیں ہوا اور نہ ہوگا۔ اس لئے عام صحابہ کرام علیہم الرضوان بھی حضور اقدس ﷺ کے احکامات کو سمجھنے کے لئے اکابر صحابہ کرام مثلاً خلفائے راشدین سیدنا عبداللہ بن مسعود، سیدنا عبداللہ بن عمر، سیدنا عبداللہ بن عباس، سیدنا ابوموسی اشعری رضی اللہ

عنہم وغیرہ کی بارگاہ میں جایا کرتے تھے اور حدیث پاک لفظی کا ترجمہ جاننے اور صحابی ہونے کے باوجود اپنی رائے پر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے کو فوقیت دیتے تھے اور اسی کو تقلید کہتے ہیں گویا تقلید کی اصل ہمیں صحابہ کرام علیہم الرضوان کی سیرت و کردار میں ملتی ہے پھر صحابہ کرام علیہم الرضوان کے شاگردوں (تابعین) نے قرآن و حدیث کے احکامات کو اپنے اساتذہ یعنی صحابہ کرام علیہم الرضوان کے عمل کی روشنی سے سمجھا اور محض لفظی ترجمے اور اپنی عقل پر بھروسہ نہیں کیا اس طرح وہ گمراہی سے محفوظ رہے اور قیامت تک کے مسلمانوں کے لئے ہدایت کے چراغ بن گئے ہدایت کے انہی مقدس چراغوں میں سے ایک سراج الائمہ حضرت سیدنا امام اعظم نعمان بن ثابت کوفی رضی اللہ عنہ ہیں جنھوں نے کوفے میں آنکھ کھولی جو اس وقت علم و علماء کا مرکز تھا۔ پھر تقریباً بیس (۲۰) صحابہ کرام علیہم الرضوان کی زیارت سے مشرف ہوئے اور ان اکابر تابعین سے علم دین حاصل کیا جو اس وقت مرجع خلائق تھے آپ رضی اللہ عنہ کے اساتذہ کرام کی تعداد چار (۴) ہزار کے قریب ہے آپ رضی اللہ عنہ نے قرآن و حدیث کے احکامات کو اکابر علماء کی تعلیمات کی روشنی میں سمجھا، اخذ کیا اور پھر بکمال تفتیش کے بعد انھیں باقاعدہ مدون کرلیا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ سے نقل کردہ مسائل کے فقہی مجموعے کو روز اول ہی سے علمائے حق کی تائید حاصل رہی اور آج تقریباً ایک ہزار تین سو سال کے بعد بھی امت مسلمہ کا تین چوتھائی کے لگ بھگ حصہ اسی فقہی مجموعے کی پیروی کرتا نظر آتا ہے۔ قرآن و حدیث اور اکابر علماء علیہم الرضوان کے اقوال کی روشنی میں کمال

احتیاط کے ساتھ فقہ حنفی کی تدوین فرمانے والے کروڑوں حنفیوں کے اس امام کے خوفِ خدا اور تقوی و اخلاص کا یہ عالم تھا کہ ارشاد فرمایا "اذا صح الحدیث فھو مذھبی "یعنی جب تمھیں میرے فتوے کے خلاف کوئی صحیح حدیث ملے تو پھر میرا فتوی بھی وہی ہوگا جو حدیث میں بیان کیا گیا ہے یہاں دو باتیں سمجھنی نہایت ضروری ہیں۔

(۱) یہ اجازت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے کسے عطا فرمائی یعنی آپ رضی اللہ عنہ کا مخاطب کون ہے؟ عام شخص یا عام عالم یا کوئی مخصوص صلاحیت والا عالم۔

(۲) اس فرمان میں "صحیح حدیث" سے کون سی؟ "صحت" مراد ہے سند کے اعتبار سے صحت یا قابل عمل ہونے کے اعتبار سے حدیث کی صحت"۔

زیر نظر کتاب مستطاب "الفضل الموھبی فی معنی اذا صح الحدیث فھو مذھبی "میں چودھویں صدی کے مجدد برحق شیخ الاسلام امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن نے بطور خاص ان ہی دو سوالوں کا جواب بڑے محققانہ انداز میں دیا ہے اور اس کتاب میں بھی آپ رضی اللہ عنہ کی وہی آن بان نظر آتی ہے، جو آپ رضی اللہ عنہ کا خاصہ ہے چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے اس مختصر کتاب میں مندرجہ ذیل امور کا بیان فرمایا۔

(۱) ضعیف حدیث پر اگر علمائے مجتہدین عمل فرمائیں تو وہ قوی ہو جاتی ہے اس سلسلے میں تین اکابرین کے اقوال نقل فرمائے۔

(۲) بعض اوقات سنداً صحیح حدیث کو مجتہدین ترک فرما دیتے ہیں، اس ترک کرنے کے اٹھارہ (۱۸) اسباب بیان فرمائے اور صحابہ، تابعین و اکابر علماء مجتہدین علیہم

الرضوان کے عمل سے اس کی سات امثلہ تحریر فرمائیں نیز پانچ اقوال بھی نقل کئے اور وہابیہ خذلھم اللہ کے شیخ الکل کی گواہی بھی پیش کی۔

(۳) قرآن وحدیث واجماع سے احکام کے استنباط کے لئے جن چار منازل کا طے کرنا شرط ہے ان کی توضیح فرمائی۔

(۴) مجتہد کے قول کا انکار کرنا کیسا ہے؟ اس کا حکم ارشاد فرمایا۔

(۵) وہابیہ خذلھم اللہ کے شیخ کی جہالت عن الحدیث کے (۲۰) نظائر رقم فرمائے

(۶) سوال میں موجود مرزا صاحب اور شاہ ولی اللہ صاحب کے کلام کی نفیس تنقیح فرمائی

(۷) حضور مجدد الف ثانی قدس سرہ الربانی کے کلام سے دس (۱۰) فوائد اخذ کئے

کتاب مستطاب کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور امام اعظم رضی اللہ عنہ کے اس فرمان میں صحت حدیث سے مراد وہ صحت ہے جو اس حدیث کے قابل عمل ہونے کے لئے درکار ہوتی ہے اس کے ساتھ ہی پتہ چلتا ہے کہ اس فرمان کا مخاطب نہ تو عوام ہیں نہ ہی عام علماء بلکہ وہ حضرات اس فرمان کا مخاطب ہیں جو مجتہد فی المذہب کے منصب پر فائز ہیں مثلاً امام ابو یوسف، امام محمد، اور امام زفر رضی اللہ عنہم۔ اور ان کے نیچے پانچ (۵) درجات کے علماء رحمہم اللہ اس فرمان کا مخاطب ہرگز نہیں اس لئے آج کے کسی ''ننھے مجتہد'' کو اس سلسلے میں اپنی ننھی سی کھوپڑی پر زور ڈالنے کی قطعاً ضرورت نہیں عزیزی مفتی قاسم عطاری مدظلہ نے اس مبارک رسالے کی تلخیص وتسہیل فرما کر بلاشبہ عوام مسلمین پر احسان فرمایا ہے اللہ عزوجل ان کی اس سعی کو مقبول بنائے اور انہیں مزید خدمت دین کی سعادت سے بہرور فرمائے۔ آمین۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ:۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایسی حدیثِ صحیح جو نہ منسوخ ہو اور نہ ہی تمام اماموں نے اسے ترک کردیا ہو البتہ چار اماموں یا ان کے علاوہ اماموں میں سے کسی نے اس پر عمل کیا جیسے نماز میں بلند آواز سے آمین کہنا اور نماز میں رکوع سے پہلے اور بعد، تکبیر تحریمہ کی طرح ہاتھ اٹھانا اور وتر کی تین رکعتیں ایک قعدہ اور ایک سلام کے ساتھ ادا کرنا یہ تمام افعال احادیث میں مذکور ہیں اور کسی نہ کسی امام نے ان پر عمل کیا ہے لیکن فقہِ حنفی میں ان پر عمل نہیں کیا جاتا اب اگر کوئی حنفی آدمی احادیث کی طرف نظر کرتے ہوئے یہ افعال بجالائے تو کیا وہ حنفی رہے گا یا نہیں؟ اگر آپ کہیں کہ وہ شخص حنفی نہیں رہے گا تو یہ بات کیسے صحیح ہوسکتی ہے؟ حالانکہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب "ردالمحتار المعروف فتاوی شامی" میں امام ابن الشحنہ کے حوالے سے یہ قول منقول ہے ''جب حدیث کا صحیح ہونا ثابت ہوجائے اور وہ حدیث امام ابوحنیفہ کے مذہب کے خلاف ہو تو آدمی حدیث پر عمل کرے اور یہی اس کا مذہب بن جائے اور حنفی آدمی حدیث پر عمل کرنے کی وجہ سے حنفی ہونے سے نکل نہیں جائے گا کیونکہ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ سے صحت کے ساتھ یہ قول منقول ہے کہ آپ نے فرمایا جب حدیث کا صحیح ہونا ثابت ہوجائے تو وہی میرا مذہب ہے'' اس کو امام ابن عبد البرّ نے امام ابوحنیفہ اور دیگر اماموں سے حکایت کیا ہے۔

نیز کتاب "مقامات مظہری" میں حضرت مظہر جانجاناں حنفی کے "سولھویں مکتوب" میں ہے ''اگر کوئی حنفی شخص حدیثِ صحیح پر عمل کرے گا تو وہ امام ابوحنیفہ کے مذہب سے خارج نہیں ہوجائے گا کیونکہ امام صاحب کا قول منقول ہے کہ جب حدیث کا صحیح ہونا ثابت ہو جائے تو وہی میرا مذہب ہے اور اگر کوئی شخص صحیح حدیث پر مطلع ہونے کے باوجود حدیث پر عمل

کرنے کی بجائے امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے قول پر عمل کرے تو اس نے خود امام صاحب کی مخالفت کی کیونکہ امام صاحب کا فرمان ہے کہ نبی کریم ﷺ کی حدیث کے مقابلے میں میرے قول کو چھوڑ دو۔"

حضرت مظہر جانجاناں کے اسی مکتوب میں مذکور ہے "اگر کوئی شخص یہ دعوی کرتا ہے کہ حدیث پر عمل کی صورت میں حنفی آدمی امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے مذہب سے نکل جاتا ہے اگر یہ کہنے والا اپنے اس دعوی پر کوئی دلیل رکھتا ہے تو ہمارے سامنے لاکر دکھائے"۔

یونہی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حنفی نے اپنی کتاب "عقد الجید" میں فرمایا "نبی کریم ﷺ کی حدیث کی مخالفت کا سبب نہیں ہوسکتا مگر پوشیدہ منافقت یا کھلی حماقت"۔ ان سب بزرگوں کے اقوال کا کیا جواب ہوگا اگر کوئی شخص حدیث پر عمل کرنے کی وجہ سے حنفی ہونے سے خارج ہونے کا کہتا ہے اور اگر بزرگوں کا ذکر کردہ موقف درست ہے یعنی فقہِ حنفی کے مقابلے میں حدیث پر عمل کرنے والا حنفی ہی رہتا ہے تو ایسے شخص کو برا بھلا کہنا گناہ اور غلط ہے یا نہیں؟

﴿فتوی﴾

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

"تمام تعریفیں اللہ تعالی کے لئے ہیں جس نے پاک کو ناپاک سے جدا کرنے کے لئے حق و باطل میں فرق کرنے والی وہ کتاب نازل فرمائی جس میں ہر شے کا روشن بیان ہے اور جس نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ جو اللہ تعالی نے آپ کو سکھا دیا ہے اس کے مطابق آپ اسے لوگوں کے لئے واضح فرما دیں پس اللہ تعالی نے قرآن پاک کو حدیث کے بیان کے ساتھ ملا دیا اور درود وسلام ہوں اس ذات بابرکات پر جس نے قرآن کی وضاحت فرمائی اور اپنے حق میں کئے گئے گمان کو پورا کر دکھایا (یعنی اپنی ذمہ داری کو کَمَا حَقُّہٗ پورا فرمایا) اور جس نے مجتہدین کو اپنے ذہنوں کو کام میں لانے (یعنی اجتہاد کرنے) کی اجازت عنایت فرمائی اور مجتہدین نے احکام کو سخت

محنت کے ساتھ استنباط کیا پس اگر آئمہ نہ ہوتے تو حدیث نہ سمجھی جاتی اگر حدیث نہ ہوتی تو کتاب اللہ نہ سمجھی جاتی اور اگر کتاب اللہ نہ ہوتی تو اللہ تعالی کا حکم معلوم نہ ہوتا پس یہ کتنا عجیب سلسلہ ہے جو ہدایت دیتا ہے اور مدد کرتا ہے اور قیامت تک درود وسلام ہوں آپ کی آل، آپ کے اصحاب، آپ کی ملت کے مجتہدین اور آپ کی تمام امت پر"۔

﴿الجواب﴾

میں (امام احمد رضا علیہ الرحمۃ) کہتا ہوں اصولِ حدیث کے اعتبار سے حدیث کا صحیح ہونا اور مجتہد کے عمل کے لئے حدیث کا صحیح ہونا ان دونوں میں فرق ہے کبھی اصولِ حدیث اور مجتہد کے عمل دونوں کے اعتبار سے حدیث صحیح ہوتی ہے اور کبھی اصول حدیث کے اعتبار سے حدیث صحیح ہوتی ہے لیکن مجتہد کے عمل کے لئے حدیث صحیح نہیں ہوتی اور کبھی مجتہد کے عمل کے لئے حدیث صحیح ہوتی ہے لیکن اصولِ حدیث کے اعتبار سے حدیث صحیح نہیں ہوتی یوں کہہ لیں کہ علمی دنیا میں اصولِ حدیث کی حدیثِ صحیح اور مجتہد کے عمل کے لئے حدیثِ صحیح کے درمیان عموم خصوص من وجہٍ کی نسبت ہے۔

﴿علماء کے عمل سے حدیث کا قوی ہونا﴾

کبھی یوں ہوتا ہے کہ کوئی حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف ہوتی ہے لیکن اُمّت کے امام اور مِلّتِ اسلامیہ کے امانت دار پیشوا کچھ خارجی امور کی وجہ سے یا شرعی قواعد کے ساتھ اس حدیث کے موافقت رکھنے کی وجہ سے اس حدیث کے سنداً ضعیف ہونے کے باوجود اس پر عمل فرماتے ہیں اور ان کا عمل ہی حدیث کے قوی اور صحیح ہونے کا سبب بن جاتا ہے اب غور فرمائیں کہ یہاں حدیث پر عمل اس کے صحیح ہونے کی وجہ سے نہیں کیا گیا بلکہ علماء رحمہم اللہ کے عمل کرنے کی وجہ سے حدیث کو صحیح قرار دے دیا گیا، اور یہ امر محدثین کے نزدیک صحیح ہے چنانچہ جلیل القدر امام حدیث امام ترمذی علیہ الرحمۃ نے ایک حدیث روایت کی کہ "جس نے بغیر عذر کے دو

نمازوں کو جمع کیا یعنی ایک کو دوسرے کے وقت میں پڑھا وہ کبیرہ گناہ کے دروازوں میں سے ایک دروازے پر آیا'' اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد امام ترمذی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ''اس حدیث کا راوی حنش بن قیس اہلِ حدیث یعنی محدثین کے نزدیک ضعیف ہے''۔ امام احمد اور دوسرے اماموں نے اس راوی کو ضعیف قرار دیا لیکن علماء کا عمل اسی حدیث پر ہے۔

قول (۱):۔

امام ترمذی کے اس قول پر تبصرہ فرماتے ہوئے امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ اپنی کتاب ''اَلتَّعَقُّبَاتُ عَلَی الْمَوْضُوعَاتِ'' میں فرماتے ہیں ''امام ترمذی علیہ الرحمۃ نے اپنے اس قول کے ذریعے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ اس حدیث کو علماء علیہم الرحمۃ کے عمل کی وجہ سے قوت حاصل ہوگئی اور بے شک متعدد اماموں نے تصریح فرمائی ہے کہ اہلِ علم کی موافقت بھی حدیث کے صحیح ہونے کی دلیل ہے اگرچہ حدیث کی سند قابلِ اعتماد نہ ہو''۔

قول (۲):۔

امام شمس الدین سخاوی علیہ الرحمۃ اپنی کتاب ''فَتْحُ الْمُغِیْثِ'' میں شیخ ابوالحسن قطان سے نقل کرتے ہیں ''حدیثِ ضعیف حجت نہیں ہوتی البتہ فضائلِ اعمال میں اس پر عمل کریں گے اور احکام میں اس پر عمل سے باز رہیں گے لیکن جب حدیثِ ضعیف کی سندیں زیادہ ہو جائیں یا علماء کا عمل اس کے ساتھ مل جائے یا کسی دوسرے صحابی سے اسی سے ملتی جلتی صحیح حدیث مل جائے یا حدیث، قرآن پاک کے ظاہر سے موافقت رکھتی ہو تو احکام میں بھی حدیثِ ضعیف پر عمل کیا جائے گا۔

قول (۳):۔

جلیل القدر حنفی فقیہ و محقق امام محمد بن عبدالواحد کمال الدین صاحب فَتْحُ الْقَدِیْر اپنی کتاب کے باب ''صِفَۃُ الصَّلٰوۃ'' میں فرماتے ہیں ''کسی حدیث کے ضعیف ہونے کا یہ مطلب

نہیں ہوتا کہ وہ حدیث حقیقت میں باطل ہے بلکہ اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ یہ حدیث محدثین کی بیان کردہ شرطوں پر پوری نہیں اترتی لہٰذا یہ بات ممکن ہے کہ کوئی حدیث جسے ضعیف قرار دیا گیا ہے وہ حقیقت میں صحیح ہو تو ہو سکتا ہے کہ کوئی ایسی خارجی چیز مل جائے جس سے یہ پتہ چل جائے کہ ضعیف راوی نے یہ خاص حدیث ٹھیک روایت کی ہے پس اس وجہ سے اسے حدیثِ صحیح قرار دے دیا جائے''۔

﴿مجتہد کے حدیثِ صحیح کو ترک کرنے کی وجوہ﴾

بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ حدیث صحیح ہوتی ہے مگر امام مجتہد اس پر عمل نہیں کرتا اس کے کئی اسباب و وجوہ ہوتے ہیں ذیل میں ان کو ہم کچھ تفصیل سے ذکر کرتے ہیں،

پہلا سبب: (کتاب اللہ کا نسخ)

حدیث صحیح متواتر نہیں بلکہ مشہور یا عزیز یا غریب ہے اور اس پر عمل کرنے سے کتاب اللہ کا نسخ لازم آتا ہے مثلاً قرآن مجید میں ہے لَا تَأْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ ''نہ کھاؤ اسے جس پر اللہ کا نام ذکر نہیں کیا گیا''۔

یعنی وہ جانور جس کے ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا وہ حرام ہے اس کا گوشت نہ کھایا جائے اگر کسی آدمی سے بھول کر تکبیر چھوٹ جائے تو وہ معاف ہے لیکن اگر کوئی شخص جان بوجھ کر ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیتا تو وہ جانور حرام ہے جیسا قرآن پاک میں فرمایا گیا۔ اب ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ سے اس جانور کے بارے میں پوچھا گیا جس کے ذبح کے وقت جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ''اسے کھاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا نام ہر مسلمان کے دل میں (تو) موجود ہوتا ہے'' اب اگر اس حدیث پر عمل کیا جائے تو کتاب اللہ کے حکم کا کوئی محمل نہیں رہے گا اور یہ نسخ ہوگا جب کہ خبر واحد کے ساتھ کتاب کا نسخ نہیں ہو سکتا۔

دوسرا سبب: (کتاب اللہ پر اضافہ)

حدیثِ صحیح پر عمل نہ کرنے کا سبب بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ اس پر عمل کرنے سے کتاب اللہ پر زیادتی ہوتی ہے یعنی قرآن پاک میں ایک حکم بغیر قید کے مذکور ہوتا ہے اور یہ حدیث اس کو مقید کر رہی ہوتی ہے یہ مقید کرنا حدیثِ مشہور یا متواتر کی وجہ سے تو جائز ہے لیکن خبر واحد کی وجہ سے نہیں ہو سکتا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ قرآن پاک میں فرمایا گیا فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ''اپنے چہروں کو دھوؤ اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھوؤ'' (پارہ ٦ سورۃ المائدہ آیت ٦)۔

اس آیت میں چار چیزوں کو وضو قرار دیا ہے اور بِسْمِ اللّٰہِ پڑھنے یا نیت کرنے یا پے درپے دھونے یا ترتیب سے اعضاء دھونے کا حکم نہیں ہے جب کہ بعض احادیث میں ان چیزوں کو ضروری قرار دیا ہے جیسے فرمایا'' کہ جس نے بِسْمِ اللّٰہِ نہ پڑھی اس کا وضو نہیں'' یونہی نیت کے بارے میں ہے'' کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے'' یہاں احادیث تو صحیحہ ہیں مگر ان میں تاویل کی گئی ہے اور ان کے ظاہری مفہوم کو ترک کر دیا گیا ہے کیونکہ اس سے کتاب اللہ پر زیادتی لازم آتی ہے۔

تیسرا سبب: (رواۃ کی غیر مناسب قلت)

حدیثِ صحیح ایسی چیز کے بارے میں جس کا وقوع بار بار ہوتا ہے اور کثیر لوگ اس میں مبتلا ہیں یا ایسا واقعہ ہے جس کا مشاہدہ کرنے والے کثیر ہو سکتے ہیں یا ایسا معاملہ ہے جس کی طرف بلانے والے اسباب کثیر ہیں مگر ان تمام چیزوں کے باوجود حدیث کو روایت کرنے والا اِکّا دُکّا راوی ہے حالانکہ جب معاملہ ایسا عام ہے تو روایت کرنے والے بھی کثیر ہونے چاہییں تو اس امر کے پیش نظر مجتہد حدیث کو ترک کر دیتا ہے۔

چوتھا سبب: (نسخ کا تکرار)

کبھی حدیث کو مجتہد اس وجہ سے ترک کر دیتا ہے کہ اس حدیث سے نسخ کا تکرار لازم آتا ہے یعنی ایک چیز مثلاً پہلے ممنوع تھی پھر اسے جائز کر دیا گیا اور اب ایسی حدیثِ صحیح پائی گئی جو اس جواز کو پھر ختم کر رہی ہے تو یہ نسخ کا تکرار ہے اس وجہ سے بھی مجتہد حدیثِ صحیح کو ترک کر دیتا ہے۔

پانچواں سبب: (دو صحیح احادیث کا تعارض)

کبھی حدیثِ صحیح کو اس وجہ سے ترک کر دیا جاتا ہے کہ اس کے مقابلے میں دوسری حدیث صحیح موجود ہوتی ہے اور دو متعارض حدیثوں میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کے اصولوں میں سے کوئی اصول ایک حدیث کو دوسری پر ترجیح دیتا ہے تو راجح پر عمل کیا جاتا ہے اور مرجوح کو ترک کر دیا جاتا ہے۔

چھٹا سبب: (حدیث کا قابل تاویل ہونا)

کبھی حدیثِ صحیح کو اس وجہ سے ترک کر دیا جاتا ہے کہ اس کے مقابلے میں حدیث موجود ہے اور دونوں میں سے ایک میں تأویل ہو سکتی ہے اور دوسری حدیث میں تأویل نہیں ہو سکتی تو جس میں تأویل نہیں ہو سکتی ہے اس پر عمل کیا جائے گا اور جس میں تأویل ہو سکتی ہے اس پر اس مسئلہ میں عمل نہیں کیا جائے گا۔

ساتواں سبب: (احادیث کا لازم الترک ہونا)

بعض اوقات یوں ہوتا ہے کہ دو حدیثیں برابر درجے کی ہوتی ہیں اور دونوں میں تطبیق ممکن نہیں ہوتی اور نہ ہی دونوں کی تاریخ کا علم ہے کہ اس کی بنیاد پر بعد والی کو ناسخ اور پہلے والی کو منسوخ قرار دے دیا جائے لہذا دونوں کو ساقط قرار دیا جاتا ہے اس صورت میں دونوں ہی صحیح حدیثوں پر عمل ترک کر دیا جاتا ہے۔

آٹھواں سبب: (اکابر اسلاف کا عمل حدیث کے خلاف ہونا)

بعض اوقات حدیثِ صحیح پر اس لئے عمل ترک کر دیا جاتا ہے کہ زمانہ گزشتہ میں علماء کا عمل اس کے خلاف گزرا ہے تو علماء کا عمل اس بات پر دلیل ہوتا ہے کہ اس حدیثِ صحیح کے مقابلے میں کوئی زیادہ قوی دلیل موجود ہے تبھی اسے ترک کر کے اس کے خلاف عمل کیا گیا۔

نواں سبب: (امت کا عمل حدیث کے خلاف ہونا)

بعض اوقات حدیثِ صحیح کو اس لئے ترک کرتے ہیں کہ امت کا عمل اس کے خلاف ہے مثلاً ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے مُخابَرَہ سے منع فرمایا یعنی زمین کو یوں ٹھیکے پر دینے سے منع کیا کہ زمین ایک کی ہوگی اور کام دوسرا کرے گا اور نفع دونوں کے درمیان نصف نصف مثلاً تقسیم کیا جائے گا حدیث میں تو اس سے منع کیا گیا مگر امت کا عمل اس کے خلاف ہے حتی کہ صحابۂ کرام بھی مُخابَرَہ کیا کرتے تھے یہاں بھی حدیث صحیح کو امت کے عمل کی وجہ سے ترک کر دیا گیا اصطلاح میں اسے تعامُلِ ناس کہا جاتا ہے۔

دسواں سبب: (راوی صحابی کا عمل مروی حدیث کے خلاف ہونا)

بعض اوقات حدیثِ صحیح کو یوں ترک کر دیا جاتا ہے کہ ایک صحابی نے ایک حدیث روایت کی اور حدیث بھی مفسّر ہے یعنی اس میں کسی قسم کا اجمال نہیں پھر اسی روایت کرنے والے صحابی کا عمل اس حدیث کے خلاف ہے تو صحابی کے عمل کو لیا جاتا ہے اور حدیث کو ترک کر دیتے ہیں کیونکہ صحابی کا اس حدیث کے خلاف عمل کرنا اس بات پر دلیل ہے کہ صحابی کے نزدیک اس حدیث کا نسخ ثابت ہے۔

گیارہواں سبب: (علت عمل کا ختم ہو جانا)

بعض اوقات حدیثِ صحیح کو اس لئے ترک کر دیا جاتا ہے کہ اس حدیث کا حکم کسی خاص علّت کی وجہ سے تھا اور اب وہ علّت ختم ہوگئی تو حدیث کا حکم بھی ختم ہو گیا جیسے قرآن پاک

میں زکوٰۃ کے مستحقین میں ان لوگوں کو بھی ذکر کیا گیا ہے جو کافر ہوں اور انہیں زکوٰۃ اس لئے دی جاتی ہے تاکہ ان کے دل اسلام کی طرف مائل ہوں یا وہ لوگ جو نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں انہیں اس لئے زکوٰۃ دی جائے تاکہ ان کے دل اسلام پر جم جائیں پھر اس مدّ کو صحابہ کرام نے ترک کر دیا کہ مسلمانوں کی جب کثرت ہوگئی تو اس امر کی ضرورت باقی نہ رہی۔ یونہی بعض اوقات حدیث میں بھی ہوتا ہے۔

بارہواں سبب: (حالات کی تبدیلی)

بعض اوقات اس لئے حدیثِ صحیح پر عمل نہیں کیا جاتا کہ حدیث کا حکم حالاتِ زمانہ کے اعتبار سے تھا اور اب وہ حالات باقی نہیں، بلکہ بدل گئے جیسے سرکار ﷺ کے زمانہ مبارکہ میں عورتیں مسجد میں نماز پڑھتی تھیں حتّٰی کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ''اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکو''۔ اس کے باجود حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع فرمایا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنھا نے حضرت عمر رضی تعالی عنہ کی اس معاملے میں ان الفاظ سے تصدیق کی کہ ''اگر نبی کریم ﷺ بھی عورتوں کی ان چیزوں کو ملاحظہ فرمالیتے جو عورتوں نے نکالی ہیں تو سرکار ﷺ بھی اس سے منع فرمادیتے''۔ آپ رضی اللہ تعالی عنھا کا مقصود یہ تھا کہ نبی کریم ﷺ کے حیاتِ ظاہری کے زمانہ مبارکہ کے حالات کچھ اور تھے اور انہی حالات کی بنا پر عورتوں کو مسجدوں میں آنے کی اجازت تھی، اب وہ حالات باقی نہیں رہے لہذا اب عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت نہیں۔

تیرہواں سبب: (عرف کی تبدیلی)

حدیث میں جو کچھ بیان کیا گیا وہ وہاں کے عُرف واستعمال کے اعتبار سے تھا وہ عُرف دوسرے علاقے میں موجود نہیں یا اب ختم ہو گیا، تو ایسی حدیثِ صحیح پر بھی عمل نہیں کیا جاتا کہ دارومدار جب عُرف پر تھا اور عُرف باقی نہیں رہا تو حدیث کا حکم بھی باقی نہیں رہے گا۔

چودہواں سبب : (دفع حرج)

کبھی حدیث کو اس لئے بھی ترک کر دیا جاتا ہے کہ اب اس پر عمل کرنے میں بہت زیادہ تنگی اور حرج واقع ہوتا ہے لہذا اس کا لحاظ کرتے ہوئے حدیث کو ترک کر دیا جاتا ہے کیونکہ فرمانِ باری تعالی ہے۔ یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ o ''اللہ تعالی تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر تنگی نہیں چاہتا''۔ اور فرمایا وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ ''اور اللہ تعالی نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی''۔

پندرہواں سبب : (کسی حدیث کا حکم وجوباً نہیں بلکہ سیاسۃً ہونا)

بعض اوقات حدیث کو اس لئے ترک کیا جاتا ہے کہ اب اس حدیث پر عمل کرنے سے فتنہ وفساد پیدا ہوتا ہے جیسے حدیثِ مبارک میں غیر شادی شدہ زانی کی سزا سو (۱۰۰) کوڑے اور ایک سال کے لئے جلاوطن کر دینا ہے لیکن اس پر عمل کرنے میں یوں فتنہ ہے کہ وہ آدمی دوسری جگہ جا کر زیادہ جری ہو جائے گا یا کسی اور گناہ کا ارتکاب کرے گا چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ نے ایک آدمی کو جلاوطن کیا تو وہ کافروں کے مُلک میں جا کر مرتد ہو گیا اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے افسوس کا اظہار فرمایا اور آئندہ کبھی یہ سزا نہ دینے کا ارادہ کر لیا۔

سولہواں سبب : (حدیث میں مذکور فعل کا بسبب عادت، بیماری یا عارضے کے ہونا)

بعض دفعہ اس لئے حدیثِ صحیح کو ترک کر دیا جاتا ہے کہ اس میں نبی کریم ﷺ کا جو فعل مذکور ہے وہ کسی عارضے مثلاً بیماری کی وجہ سے تھا یا بطورِ عادت کے تھا، امت پر اسے بطورِ سنت مقرر کرنا مقصود نہ تھا جیسے نبی کریم ﷺ فجر کی سنتوں کے بعد لیٹ جاتے پھر اُٹھ کر فرض کی نماز پڑھاتے یا بعض دفعہ چار رکعت والی نماز میں پہلی رکعت اور تیسری رکعت کے سجدوں کے بعد اٹھنے سے پہلے تھوڑی دیر بیٹھ جاتے پھر کھڑے ہوتے، یہ بیٹھنا بیماری کی وجہ سے تھا۔ لہذا جو امر بطورِ عادت یا کسی عارضے کی وجہ سے کیا اس حدیث پر بھی عمل نہیں کیا جاتا۔

سترہواں سبب : (مذکور فعل کی کوئی خاص حاجت یا سبب ہونا)

بعض دفعہ اس لئے حدیث کو ترک کر دیا جاتا ہے کہ اس میں جس عمل کا بیان ہے وہ عمل کسی خاص حاجت وسبب کی بنا پر کیا گیا ہے، دائمی طور پر اسے لاگو کرنا مقصود نہیں جیسے کبھی کبھار نبی کریم ﷺ ظہر میں بعض آیتیں بلند آواز سے تلاوت فرماتے یا حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ دعائے قنوت بلند آواز سے پڑھتے تو یہ لوگوں کو بتانے کے لئے تھا کہ ظہر میں بھی قراءت ہے اور دعائے قنوت اس موقع پر پڑھی جائے گی بلند آواز سے پڑھنے کو بیان کرنا مقصود نہیں تھا۔

اٹھارہواں سبب : (جب حدیث کا مقصود محض اخبار ہونا)

بعض دفعہ حدیث پر اس لئے عمل نہیں کیا جاتا کہ اس میں جو بیان ہوتا ہے وہ حکمِ شرعی بیان کرنے کے لئے نہیں ہوتا بلکہ محض ایک خبر دینا مقصود ہوتا ہے جیسے نبی کریم ﷺ نے فرمایا عَلَیْکَ السَّلَامُ تَحِیَّۃُ الْمَوْتٰی ''بوقت ملاقات ابتداءً سلام کہنے والے کا عَلَیْکَ السَّلَامُ کہنا مُردوں کو سلام کہنا ہے''۔ اس حدیث کا یہ مقصد نہیں کہ مُردوں کو یوں سلام کرو کہ وہ تو حدیث میں مذکور ہے کہ اس میں بھی اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْقُبُوْرِ کہا جاتا بلکہ عَلَیْکَ السَّلَامُ تَحِیَّۃُ الْمَوْتٰی کہنے سے مقصد صرف یہ بتانا تھا کہ کفار مُردوں کو سلام کہنے کے لئے عَلَیْکَ السَّلَامُ استعمال کرتے ہیں اس حدیث کے اور بھی مفہوم بیان کئے گئے ہیں۔

اَلْغَرَض یہ اٹھارہ (۱۸) وجوہات بیان کی گئی ہیں جن کی وجہ سے مجتہد حدیثِ صحیح کو ترک کر دیتا ہے اس کے علاوہ بھی بہت سی وجوہات ہوتی ہیں۔ اس سے پتہ چلا کہ اصولِ حدیث کے اعتبار سے حدیث کے صحیح ہو جانے سے یہ ضروری نہیں کہ وہ حدیث مجتہد کے عمل کے لئے بھی صحیح ہو جائے بلکہ اس کے لئے مزید متعدد اُمور کی ضرورت ہوتی ہے۔

﴿صحابہ وتابعین وآئمہ حدیث کا بعض احادیثِ صحیحہ کو ترک کرنا﴾

حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان سے لے کر پچھلے مجتہدین تک کوئی امام مجتہد ایسا نہیں گزرا جس نے کسی نہ کسی حدیث میں تاویل نہ کی ہو یا کسی حدیث کو مرجوح نہ قرار دیا ہو یا کسی نہ کسی وجہ سے حدیث پر عمل کو ترک نہ کیا ہو اس کی مثالیں ہم ذیل میں ذکر کرتے ہیں۔

مثال نمبر (۱):

حضرت عبدالرحمٰن بن ابزیٰ سے روایت ہے کہ ''ایک آدمی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور کہا میں جُنبی ہو گیا ہوں یعنی مجھ پر غسل فرض ہو گیا ہے اور میرے پاس پانی نہیں یعنی اب میں کیا کروں؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تم نماز نہ پڑھو۔ یہ سن کر حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی اے امیر المومنین! کیا آپ کو یاد نہیں کہ آپ اور میں ایک جنگ میں تھے ہم دونوں پر غسل فرض ہو گیا تو آپ نے نماز نہ پڑھی جبکہ میں مٹی میں لوٹ پوٹ ہوا اور پھر نماز پڑھی جب ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ عرض کیا تو سرکار ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا تمہارا اپنے ہاتھوں اور چہروں کا مسح کر لینا کافی تھا (تیمّم کے لئے)۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا اے عمار! اللہ تعالیٰ سے ڈر''۔ (مسلم شریف جلد ۱ صفحہ ۱۶۱) مراد یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمار کی روایت کردہ حدیثِ صحیح کو قبول نہ کیا اور نہ ہی اس پر عمل کا فرمایا۔

مثال نمبر (۲):

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ جب انہیں ان کے شوہر نے طلاقِ بائن دی تھی تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ ان کے لئے نہ تو خرچہ ہے اور نہ ہی رہائش۔ اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ''ہم اللہ کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت ایک ایسی عورت کے کہنے پر نہیں چھوڑیں گے جس کے بارے میں ہم نہیں جانتے کہ اس نے یاد رکھا یا وہ بھول گئی۔ طلاقِ بائن والی عورت کے لئے خرچہ بھی ہے اور رہائش بھی''۔ (مسلم

شریف جلد ۱ صفحہ ۴۸۵)۔

مثال نمبر (۳):

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تیمم والی حدیث بیان کی تو آپ نے بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح اس حدیثِ تیمّم کو قبول نہیں کیا۔ (مسلم شریف جلد ۱ صفحہ ۱۶۱)۔

مثال نمبر (۴):

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وہ حدیث جو ''مثال نمبر (۲)'' میں گزری یہ حدیث جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے ذکر کی گئی تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا مَا لِفَاطِمَةَ اَلَا تَتَّقِی اللّٰہَ ؟ '' فاطمہ کو کیا ہے؟ کیا وہ اللہ سے نہیں ڈرتی''؟ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیثِ صحیح کو ترک کر دیا۔

مثال نمبر (۵):

یونہی ترمذی شریف میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث بیان کی کہ جس چیز کو آگ پر پکایا جائے اسے کھانے سے وضو کرنا پڑے گا اس پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا آپ کیا فرماتے ہیں اگر آپ گرم پانی سے وضو کریں تو اس پر مزید وضو کرنا ہوگا؟ اس پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاموش ہو گئے۔ اس حدیث سے بھی پتہ چلا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حدیثِ صحیح کو ترک کر دیا۔

مثال نمبر (۶):

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حدیث ذکر کی کہ نبی کریم ﷺ

خانہ کعبہ کے دو رکنوں (رکن عراقی اور شامی) کا استلام نہیں فرماتے تھے اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "بیت اللہ شریف کے کسی رکن کا بھی استلام ترک نہیں کیا جائے گا" یہاں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ترک کر دیا۔

مثال نمبر (۷):

حضرت براء اور حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہما سے معروف صحیح حدیث مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اُونٹ کا گوشت کھانے سے وضو ہے لیکن اکثر جلیل القدر صحابہ و تابعین اور ان کے بعد کے لوگوں نے اس حدیث پر عمل نہ کیا اور وضو کو لازم قرار نہ دیا۔

﴿حدیثِ صحیح کے ترک میں اقوالِ آئمہ﴾

قول نمبر (۱):

فقہ مالکی کے پیشوا حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "علماء کا عمل حدیثوں سے زیادہ مضبوط و مستحکم ہے"۔

قول نمبر (۲):

حضرت امام مالک رضی اللہ تعالی عنہ کے پیروکاروں نے فرمایا "جہاں ایک بات علماء کے عمل سے ثابت ہو وہاں حدیث سنانا ایک ضعیف کام ہے"۔

قول نمبر (۳):

آئمہ تابعین کی ایک جماعت کے پاس جب ان کے خلاف حدیثیں پہنچتیں تو وہ فرماتے "ہمیں ان حدیثوں کی خبر ہے مگر علماء کا عمل اس کے خلاف پر رہا ہے لہذا ہم وہی قبول کرتے ہیں"۔

قول نمبر (۴):

حضرت امام محمد بن ابو بکر بن جریر سے ان کے بھائی بار ہا یہ کہتے کہ "تم نے فلاں

حدیث کے مطابق حکم کیوں نہیں کیا"؟ تو آپ علیہ الرحمۃ جواب میں فرماتے "میں نے علماء کو اس پر عمل کرتے نہ پایا"۔

قول نمبر (۵):

بخاری و مسلم کے استاد، محدثین کے امام حضرت عبدالرحمٰن بن مہدی فرماتے تھے "اہلِ مدینہ کی پرانی سنت حدیث سے بہتر ہے"۔

یہ تمام اقوال امام ابن الحاج مالکی نے اپنی کتاب "مَدْخَل" میں ذکر فرمائے۔

﴿ترکِ حدیث میں وہابیوں کے شیخ الکل کی شہادت﴾

وہابیوں کے شیخ الکل فی الکل مولوی نذیر حسین دہلوی اپنی کتاب "معیار الحق" میں لکھتے ہیں۔ "بعض آئمہ کا ترک کرنا بعض احادیث کو فرع تحقیق ان کی ہے کیونکہ انہوں نے ان احادیث کو قابلِ عمل نہیں سمجھا بدعوئ نسخ یا بدعوی ضعف اور امثال اسکے"۔ وہابیوں کے شیخ الکل نے ترکِ حدیث کے صرف دو (۲) سبب نسخ اور ضعف ہی بیان نہیں کیے بلکہ لفظ "امثال" ذکر کر کے بتا دیا نسخ و ضعف کے علاوہ بھی کچھ ایسے اسباب ہیں جن کی وجہ سے اماموں نے بعض احادیث کو نا قابلِ عمل سمجھا اور بے شک ایسا ہی ہے خود مولوی نذیر حسین صاحب کی "معیار الحق" میں اس کی مثال موجود ہے چنانچہ بخاری شریف کی حدیثِ صحیح ہے کہ "نبی کریم ﷺ نے ظہر کی نماز اس وقت میں پڑھی جب ٹیلوں کا سایہ ان کی مثل ہو گیا۔" اس حدیث کو مولوی صاحب مذکور نے بعض شافعی مقلدوں کی تقلید کر کے لایعنی و فاسد تاویلیں کر کے نا قابلِ عمل ٹھہرایا ہے اور اپنے گناہ کا عذر یوں بیان کیا کہ یہ سچی تاویلیں حدیثوں میں مطابقت پیدا کرنے کے لئے کی گئی ہیں۔ یونہی نذیر حسین دہلوی نے محض اپنا مذہب ثابت کرنے کے لئے صحیح حدیثوں کو اپنے باطل و مردود دعووں کے ذریعے واہیات و مردود قرار دیا جس کی تفصیل فقیر (امام احمد رضا علیہ الرحمۃ) کے رسالہ "حَاجِزُ الْبَحْرَیْنِ الْوَاقِی عَنْ جَمْعِ الصَّلوتَیْن" میں مذکور

ہے یہ رسالہ صرف ایک مسئلہ سے متعلق ہے اور اس رسالہ میں نذیر حسین دہلوی کی کرتوتیں اور حرکتیں ذکر کی گئی ہیں بقیہ مسائل میں جو کارگزاریاں ہیں کس شمار میں ہیں؟

خلاصہ کلام یہ ہے کہ کوئی بھی عقل مند اپنا ہو یا غیر اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ اصول حدیث کے اعتبار سے حدیث کے صحیح ثابت ہو جانے سے اس پر عمل لازم نہیں ہو جاتا بلکہ عمل کا ہر جگہ لازم ہو جانا محال ہے کیونکہ بہت جگہ دو حدیثیں برابر درجہ کی صحیح ہوتی ہیں لیکن آپس میں متعارض ہوتی ہیں مثلاً ایک حدیث کی رو سے وہ عمل جائز ہے اور دوسری حدیث کی رو سے وہ عمل ناجائز ہے اب جو شخص یہ کہتا ہے کہ حدیثِ صحیح پر عمل کرنا لازم ہے تو اس کے کہنے کے مطابق ایک عمل جائز بھی ہے اور ناجائز بھی۔ اور یہ صراحۃً دو متضاد چیزوں کا جمع ہونا ہے اور یہ محال ہے۔

اس تمام گفتگو سے ثابت ہو گیا کہ سوال میں جو اقوال مذکور ہیں ان سے اور ان جیسے دوسرے اقوال سے مراد حدیث کا اصولِ حدیث کے اعتبار سے صحیح ہونا نہیں بلکہ مجتہد کے عمل کے لئے صحیح ہونا مراد ہے اور خبر سے مراد یہی ہے کہ وہ خبر مجتہد کے نزدیک واجب العمل ہو یعنی اس پر عمل کرنا لازم ہو۔

اب یہ بات بالکل واضح و روشن ہے اور بغیر کچھ غور و فکر کے سمجھ میں آنے والی ہے کہ اگر کوئی حدیث مجتہد نے پائی اور اس میں تأویل کر لی یا کسی اور وجہ سے اس حدیث پر عمل نہ کیا تو وہ حدیث اس امام کا مذہب نہیں بن سکتی کیونکہ اگر وہ حدیث اس امام کا مذہب بنے تو وہی دو ناممکن چیزیں جمع ہو جائیں گی کہ جب مجتہد نے اس حدیث میں تأویل کی تو وہ اس کا مذہب نہ رہی اگرچہ دوسری جگہ اوروں نے اسے مذہب بنا بھی دیا۔

پس معلوم ہوا کہ سوال میں مذکور امام صاحب کے قول کی بنا پر کسی حدیث کے بارے میں یہ کہنا کہ چونکہ مذہب امام اس حدیث کے خلاف ہے لہٰذا وہ قول ترک کیا جائے اور اس

حدیث کو امام کا مذہب قرار دیا جائے یہ کہنا دو چیزوں پر موقوف ہے۔

اولاً: یقینی طور پر یہ بات ثابت اور معلوم ہو کہ یہ حدیث امام صاحب تک نہیں پہنچی کیونکہ اگر حدیث امام تک پہنچی اور پھر امام نے اس حدیث کے خلاف کیا تو یہ حدیث امام کا مذہب قطعاً نہیں ہو سکتی بلکہ دوسرے دلائل کو سامنے رکھتے ہوئے جو قول امام نے کیا وہی اس کا مذہب ہے اس وجہ سے علامہ زرقانی نے مؤطا امام مالک کی شرح میں تصریح فرمائی کہ ”یہ بات ثابت ہو چکی کہ کسی حدیث کا مذہبِ مجتہد ہونا صرف اس صورت میں ہے جب کہ یقین ہو کہ یہ حدیث مجتہد کو نہ پہنچی تھی ورنہ اگر اس بات کا احتمال ہو کہ مجتہد نے حدیث پائی اور اس کا محمل کچھ اور بیان کیا تو حدیث اس امام کا مذہب نہ ہو گی۔

ثانیاً: جس پر حدیث کے مذہبِ امام ہونے کا دارومدار ہے وہ یہ ہے کہ قولِ امام کے خلاف کسی حدیث کو مذہبِ امام بتانے والا حدیث کے راویوں اور حدیث کے الفاظ پر اطلاع رکھتا ہو نیز دلیل بنانے کے طریقے اور قرآن و حدیث سے مسائل نکالنے کے طریقے جانتا ہو نیز ان چیزوں سے تعلق رکھنے والے اصولوں کو جانتا ہو اور ان پر مکمل مہارت حاصل ہو۔ اس چیز کے حصول کے لئے اسے کئی سخت منزلیں گزرنا ہوں گی اور وہ چار منزلیں ہیں جن میں سے ہر دوسری منزل پہلی منزل سے زیادہ کٹھن ہے۔

﴿استنباطِ احکام کی چار منازل﴾

﴿پہلی منزل﴾

پہلی منزل حدیث کے راویوں کے متعلق ہے اور وہ یہ ہے کہ اس مدعی کو راویوں کے قابلِ اعتماد ہونے اور سچائی اور حافظے اور حدیث کو یاد رکھنے کے مراتب معلوم ہوں پھر یہ کہ ہر راوی کے بارے میں اسماء الرِّجال کے اماموں کے اقوال معلوم ہوں اور ہر راوی میں طعن وا عتراض کی وجوہات اور راوی کے قابل اعتماد ہونے کے مراتب پتہ ہوں اور جرح کہاں مقدم

ہے؟ اور تعدیل کہاں مقدم ہے؟ اور راوی میں طعن پر ابھارنے والی چیزیں کون سی ہیں؟ اور راوی کن چیزوں کی بنیاد پر لائق اعتماد ہوتا ہے؟ کہاں راوی نے تحقیق سے کام لیا؟ اور کہاں سستی سے؟ یا راوی کو صحیح قرار دینے میں محدث نے کہاں تحقیق سے کام لیا اور کہاں نرمی برتی؟ ان تمام باتوں کا علم ہو۔

نیز خاص اس حدیث کے راوی کا مرتبہ صحیح یا ضعیف ہونے میں کیا ہے؟ اس کے لئے اس راوی سے متعلق تمام اقوال معلوم ہوں اس کے موافق ہوں یا اس کے مخالف اور راویوں نے کہاں خطا کی اور کہاں انہیں وہم لاحق ہوا؟ ان تمام باتوں پر اطلاع ہو حدیث کے راویوں کے نام، ان کے القاب، ان کی کنیتیں، ان کے نسب۔ نیز راویوں کو جن مختلف طریقوں سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسے حدیث میں تدلیس [1] کرنے والے بزرگ ان سب کا علم ہو۔ اور اگر کوئی راوی مبہم ہے اس کی تعیین کہ یہ کون ہے؟ اور بعض اوقات یوں ہوتا ہے کہ متعدد راویوں کے نام بھی ایک جیسے ہوتے ہیں اور ان کے باپوں کے نام بھی ایک جیسے ہوتے ہیں یا یوں ہوتا ہے کہ نام لکھنے میں ایک جیسے ہوتے ہیں مگر پڑھنے میں مختلف ہوتے ہیں جیسے مِسْوَر اور مُسَوَّر تو ایسی جگہوں میں ہر راوی کی تعیین ہو کہ یہاں کون سا راوی مراد ہے؟ راویوں کی ولادت و وفات کی جگہیں اور رہائش کے علاقے یعنی شہر اور جن علاقوں کی طرف سفر کیا اور جن راویوں سے ملاقات ہوئی اور جن سے حدیثیں سنیں نیز اس راوی کے اساتذہ کون سے ہیں؟ اور اس کے شاگرد کون سے ہیں؟ ان سب چیزوں پر مکمل اطلاع ہو نیز حدیث کے لینے کے طریقے اور آگے بیان کرنے

---

[1] تدلیس یہ ہے کہ راوی اس شیخ سے جس سے اس نے حدیثیں سنی ہیں وہ حدیث روایت کرے جو نہیں سنی ہوئی یا جس شیخ سے حدیث نہیں سنی محض ملاقات ہوئی ہو اس کی طرف سے حدیث بیان کرے ایسے الفاظ سے جس سے یہ وہم ہو کہ اس نے یہ حدیث سنی ہوئی ہے۔

کے طریقے اور تدلیس اور اس بات کا علم ہو کہ اگر راوی کا حافظہ آخری عمر میں متغیر ہو گیا تھا تو حافظے کے متغیر ہونے سے پہلے کن لوگوں نے اس راوی سے حدیثیں روایت کیں؟ اور بعد میں کن لوگوں نے روایت کیں؟ اور وہ کون سے ہیں جنھوں نے دونوں حالتوں میں حدیثیں روایت کیں؟ پہلی منزل میں بیان کردہ تمام چیزوں کا جسے علم ہو اور ان پر مہارت ہو وہ ان تمام چیزوں کو جاننے کے بعد صرف اتنا کہہ سکتا ہے کہ اس حدیث کی سند کیسی ہے صحیح [2] ہے یا حسن [3] یا صالح [4] یا ساقط [5] یا باطل یا معضل [6] یا مقطوع [7] یا مرسل [8] یا متصل [9]۔

﴿دوسری منزل﴾

دوسری منزل یہ ہے کہ حدیث کی جتنی اور جس قسم کی بھی کتابیں ہیں مثلاً صرف صحیح حدیثیں جمع کرنے کا التزام کرنے والی کتاب ہے یا فقہی ابواب کی ترتیب والی ہے یا ایک ہی صحابی کی تمام روایتیں ایک جگہ جمع کرنے والی کتاب ہے یا ایک شیخ کی حدیثیں جمع کرنے والی ہے یا ایک خاص موضوع سے متعلق ہے الغرض ہر قسم کی کتبِ احادیث میں خاص مطلوبہ حدیث کی تمام سندیں اور جملہ سندوں کے اعتبار سے مختلف الفاظ پر گہری نظر ہو، تاکہ اس سے پتہ چلے

---

[2] حدیثِ صحیح وہ ہے جو ایسے عادل راویوں کی نقل سے ہو جو تام الضبط ہوں اور حدیث کی سند متصل ہو اور اس حدیث میں کوئی پوشیدہ علت نہ ہو۔ اور نہ ہی اس میں اپنے سے زیادہ ثقہ راوی کی مخالفت کی گئی ہو۔

[3] حسن وہ حدیث ہے جس کے راوی میں ضبط کی کمی ہو اور باقی صفات کامل ہوں۔

[4] صالح وہ حدیث ہے جس سے استدلال کیا جا سکے۔

[5] ساقط وہ حدیث ہے جو مرتبہ اعتبار سے گر گئی ہو۔

[6] معضل وہ حدیث ہے جس میں درمیانِ سند سے دو راوی پے در پے گر گئے ہوں۔

[7] مقطوع اصولاً وہ حدیث ہے جس کی سند تابعی پر ختم ہو جائے۔

[8] مرسل وہ حدیث ہے جس میں تابعی بلا واسطہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرے۔

[9] متصل وہ حدیث ہے جس کی سند میں کوئی راوی ساقط نہ ہو۔

کہ یہ حدیث اتنے کثیر افراد کی روایت کردہ ہے جن کا جھوٹ پر جمع ہونا محال ہے یا ان سے کچھ کم لوگوں نے روایت کیا ہے یا صرف ایک ایک راوی نے روایت کیا ہے یا وہ حدیث ایک خاص راوی کے اعتبار سے فرد ہے نیز اسے یہ بھی علم حاصل ہو کہ یہ حدیث ایسی تو نہیں جس میں ایک معتمد ثقہ راوی نے اپنے سے زیادہ معتمد ثقہ راوی کی مخالفت کی ہے یا ایک ضعیف راوی نے کسی معتمد کی مخالفت کی ہے نیز تمام کتب احادیث اور تمام سندیں اور تمام مختلف الفاظ دیکھنے سے یہ بھی علم حاصل ہو کہ کس نے اس حدیث کی سند کو نبی کریم ﷺ تک پہنچایا؟ اور کس نے سند کو صرف صحابی تک پہنچایا؟ اور کس نے سند کو صرف تابعی تک پہنچایا؟ اور یہ بھی علم حاصل ہو کہ یہ حدیث ایسی تو نہیں کہ جس میں سند ظاہراً متصل ہے مگر دوسرے راوی نے درمیان میں ایک اور راوی کی زیادتی کی ہے اور جس نے اس راوی کا ذکر نہیں کیا وہ زیادہ معتبر ہے نیز اسے سند اور متن میں اضطراب پر اطلاع حاصل ہو۔

نیز جب حدیث کے تمام مختلف الفاظ اور تمام سندوں کو جمع کیا جائے گا تو اس سے حدیث کی سند یا الفاظ میں پایا جانے والا ابہام دور ہوگا اور وہم ختم ہوگا اور پوشیدہ بات واضح ہوگی اور مشکل و مجمل بات ظاہر و بیّن ہوگی اسی وجہ سے امام ابو حاتم رازی نے فرمایا ہم جب تک حدیث کو ساٹھ (۶۰) طریقوں (سندوں اور الفاظ) سے نہ لکھ لیتے اس وقت تک حدیث کی پہچان حاصل نہ ہوتی۔

جب کوئی شخص مذکورہ تمام باتوں کو جان لے گا تو اسے صرف اتنا علم حاصل ہوگا کہ یہ حدیث کیسی ہے؟ اس میں معتمد راوی کی اپنے سے زیادہ معتمد راوی سے مخالفت ہے یا نہیں؟ اس میں زیادہ ضعیف کی کم ضعیف راوی سے یا ضعیف کی ثقہ راوی سے مخالفت ہے یا نہیں؟ یہ حدیث نبی کریم ﷺ تک پہنچتی ہے یا صحابی تک؟ اس حدیث کو ایک آدمی نے روایت کیا یا بہت سے لوگوں نے؟ وغیرھا۔

﴿تیسری منزل﴾

جو شخص کسی حدیث کو مذہب امام کے خلاف پا کر مذہب رد کر کے اس حدیث کو امام کا مذہب قرار دیتا ہے اس کے لئے تیسری منزل یہ ہے کہ وہ حدیث کی پوشیدہ علتوں پر مطلع ہو کیونکہ بہت دفعہ ہوتا ہے کہ حدیث اصولوں کے اعتبار سے صحیح ہوتی ہے مگر اس میں ایسی باریک پوشیدہ چیزیں ہوتی ہیں جو حدیث کے قبول میں خرابی ڈالتی ہیں ان پوشیدہ چیزوں پر مطلع ہونا انتہائی پیچیدہ کام ہے کئی سو سالوں سے اس کام پر قادر کوئی شخص نہیں پایا گیا اور اگر کوئی شخص بالفرض علتوں کی تمام وجوہات کا احاطہ کرنے کے بعد کسی حدیث کو تمام علتوں سے پاک مانے تو یہ تین منزلیں طے کرنے کے بعد وہ صرف اتنا کہہ سکتا ہے کہ یہ حدیث اصولِ حدیث کے اعتبار سے صحیح ہے لاکھوں حدیثوں کو حفظ کرنے والے تمام بزرگانِ دین اور حدیث پر صحیح یا ضعیف وغیرھا ہونے کا حکم لگانے والے تمام جلیل القدر محدثین جو درجۂ اجتہاد تک نہ پہنچے ہوں ان کی رسائی صرف اسی مقام مذکور تک ہے۔

﴿تقلید کے منکرین پر لاجواب اعتراض﴾

غیر مقلد وہابیوں کی حالت یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک چند حدیثیں پڑھ کر اپنے آپ کو مجتہد سمجھتا ہے اور جلیل القدر مجتہدین کے ساتھ برابری کا دعوٰی کرتا ہے اور تقلید کو شرک کہتا ہے حالانکہ ابھی تک جو ہم نے منزلیں بیان کی ہیں ان تک پہنچنے کے لئے بھی منکرِ تقلید، حدیث کی کتابیں لکھنے والے محدثین اور اسماء الرجال کے اماموں کی تقلید کر کے ہی پہنچتا ہے یعنی محدثین کسی حدیث یا راوی کو ضعیف کہیں تو وہابی تقلید کرتے ہوئے ضعیف کہے گا اور اگر محدثین صحیح کہیں تو وہابی اس حدیث یا راوی کو صحیح کہے گا اور چونکہ وہابی اسی کو تقلید کہتے ہیں لہذا تقلید کو حرام بلکہ شرک کہنا اور پھر خود ہی اس کا ارتکاب کرنا پرلے درجے کی بے حیائی و بے غیرتی ہے بلکہ وہابیوں کے مذہب کے مطابق تو شرک ہے۔

ہم پوچھتے ہیں کہ جب امام ابوحنیفہ اور دیگر اماموں کی تقلید تمھارے نزدیک شرک ہے تو کونسی حدیث یا آیت میں آیا ہے کہ امام بخاری یا امام ترمذی بلکہ امام احمد یا امام ابن مدینی کسی حدیث کو صحیح یا ضعیف کہہ دیں تو وہ حقیقتاً ایسی ہی ہوتی ہے؟ اور کونسی حدیث میں آیا ہے کہ راویوں کے بارے میں امام ذہبی وعسقلانی بلکہ ان سے اوپر کے امام نسائی وابن عدی ودارقطنی بلکہ ان سے اوپر کے امام یحیی قطان ویحیی بن معین وشعبہ وابن مہدی جو کچھ کہہ دیں وہی واضح حق ہے؟ جب وہابیوں کے نزدیک احکام الٰہیہ پہچاننے میں ان بزرگوں کی تقلید جائز نہیں جو محدثین سے کئی درجے افضل واعلی اور زیادہ علم وعظمت والے ہیں اور یہ محدثین جن بزرگوں کے مقلد وپیروکار ہیں اور محدثین خود ان مجتہدین کی بزرگی وعظمت کو تسلیم کرتے ہیں تو اَحکامِ الٰہیہ کا پہچاننا جو اعلی کام ہے ان میں بڑے بزرگوں کی تقلید کو تو وہابی ناجائز کہتے ہیں اور اَحکامِ الٰہیہ پہنچاننے سے چھوٹے کام یعنی حدیث یا راوی کو صحیح یا ضعیف کہنے میں بڑے بزرگوں یعنی مجتہدین سے کم درجہ رکھنے والوں یعنی محدثین کی تقلید کرتے ہیں حالانکہ حدیث یا راوی سے متعلق صحت وضعف کا حکم لگانے میں رائے کی گنجائش بہت زیادہ ہے جبکہ اَحکامِ الٰہیہ پہنچاننے کا میدان نہایت تنگ ودشوار ہے اگر وہابیوں کو تقلید سے اتنی ہی نفرت ودشمنی ہے تو ایک مرتبہ تمام محدثین کی تقلید کو ترک کرکے کسی حدیث کے راویوں پر معتمد وغیر معتمد ہونے کا حکم لگا کر دکھائیں، ہرگز ہرگز وہابی یہ کبھی بھی نہیں کر سکتے اور بغیر محدثین کی تقلید کے ان کا گزارہ نہیں ہوسکتا خیر ہم شیطان کے مسخروں کو منہ نہیں لگاتے اور اپنی بات کی طرف آتے ہیں۔

﴿ مقامِ غور ﴾

انصاف کرنے والے مسلمان بھائی! ذرا مذکورہ منازل کی دشواری کو دیکھیں کہ اس میں امام ابوعبداللہ حاکم نیشاپوری جیسے جلیل القدر محدث پر کیسی سخت گرفتیں کی گئیں؟ اور ان پر کیسے کیسے اعتراض ہوئے؟ اور امام ابن حبان جیسے عظیم محدث، اسماء الرجال کے ماہر اور گہری نظر

رکھنے والے کو اسی میدان میں متساہل (سست) قرار دیا گیا. بلکہ ان سے بڑھ کر امام ترمذی ہیں ان جیسے عظیم امام کو حدیث کو صحیح یا حسن قرار دینے میں متساہل (سست) قرار دیا گیا یونہی امام بخاری وامام ابوزرعہ جیسے محدثین جن کے علم کا لوہا امام مسلم جیسے محدث نے مانا ان سے بھی مذکورہ منازل میں خطائیں ہوئیں جیسا کہ "فَتحُ البَارِیْ وَ عُمدَۃُ القَارِیْ" کے مطالعہ سے ظاہر ہے

اور چوتھی منزل جو احادیث سے احکام کا نکالنا ہے وہ تو اتنی مشکل وپیچیدہ ہے کہ اس تک پہنچنا تو اجتہاد کے نور سے روشن آفتاب بن کر ہی ممکن ہے محدثین کے اماموں کے امام حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر حدیث کی منزلوں کو کس نے طے کیا ہوگا؟ لیکن وہ بھی جب احادیث میں بعض کو بعض پر ترجیح دے کر احکام نکالنے پر آئے تو کیسی خطا کی چنانچہ بکری کے دودھ والا قصہ معروف ہے کہ ایک بکری کا دودھ پینے والوں کے درمیان حرمت رضاعت ثابت کردی اور اس مسئلہ پر پھر کیسی تکلیفیں اٹھائیں؟ پھر یونہی امام عیسی بن ابان کا قصہ مشہور ہے عیسی بن ابان بہت بڑے امام ہیں آپ فرماتے ہیں کہ میں طلب حدیث میں مشغول تھا اور میں ذوالحجہ کے پہلے عشرے میں مکہ مکرمہ میں داخل ہوا اور ایک مہینہ وہاں قیام کرنے کی نیت کی لہذا میں نماز پوری پڑھنے لگا یعنی قصر نہیں کرتا تھا ایک دن امام ابوحنیفہ کے ایک شاگرد مجھے ملے اور کہا کہ آپ نے خطا کی۔ کیونکہ آپ نے مِنٰی اور عرفات جانا ہے تو آپ مقیم کیسے ہوئے بلکہ مسافر ہی رہے۔ یہ سن کر میں نے قصر شروع کی پھر مِنٰی سے واپسی پر میرے ساتھی کا جانے کا ارادہ تھا اور میرا ابھی جانے کا ارادہ تھا لہذا میں نے قصر جاری رکھی اس پر پھر مجھے ابوحنیفہ کے ایک صاحب نے کہا آپ نے خطا کی کیونکہ جب تک آپ مکہ سے سفر نہیں کریں گے مسافر نہیں بنیں گے یہ سن کر میں نے کہا کہ ایک مسئلہ میں دو جگہ میں نے خطا کی؟ پس میں امام محمد کی خدمت میں حاضر ہوا اور فقہ سیکھنے لگا۔ (شامی جلد۲ صفحہ ۶۰۶ مطبوعہ بیروت)

اسی وجہ سے جلیل القدر امام سفیان بن عیینہ جو کہ امام شافعی وامام احمد کے استاذ اور امام

بخاری ومسلم کے استاذ الاستاذ اور جلیل القدر ائمہ محدثین اور مجتہد فقہاء اور تبع تابعین میں سے ہیں فرماتے ہیں "حدیث سخت گمراہ کرنے والی ہے مگر مجتہدوں کو"۔

﴿غیر مجتہد کا حدیث پر عمل کرنا کیسا؟﴾

امام ابن الحاج مکی اپنی کتاب "مدخل" میں فرماتے ہیں "امام سفیان بن عیینہ کی مراد یہ ہے کہ غیر مجتہد کو کبھی ظاہر حدیث سے جو معنی سمجھ میں آتا ہے اس پر جم جاتا ہے حالانکہ دوسری حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں مراد کچھ اور ہے یا وہاں کوئی اور دلیل ہوتی ہے جس پر اس شخص کو اطلاع نہیں ہوتی یا وہاں متعدد اسباب ایسے ہوتے ہیں جن کی وجہ سے اس حدیث پر عمل نہیں کیا جائے گا ان باتوں پر قدرت نہیں پاتا مگر وہ جو علم کا دریا بنتا ہے اور اجتہاد کے مرتبے تک پہنچتا ہے خود حضور پرنور ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالی اس بندے کو سرسبز کرے جس نے میری حدیث سن کر یاد کی اور اسے دل میں جگہ دی اور ٹھیک ٹھیک اوروں تک پہنچادی بہت سے لوگوں کو حدیث یاد ہوتی ہے مگر اس حدیث کی فہم وفقہ (سمجھ) کی صلاحیت نہیں ہوتی اور بہت سے اگرچہ لیاقت وصلاحیت رکھتے ہیں مگر دوسرے ان سے زیادہ سمجھدار وفقیہ ہوتے ہیں" (مسند احمد، سنن دارمی، ابوداؤد، جامع ترمذی، ابن ماجہ، مختارة، مدخل، ابن حبان)۔

اگر صرف حدیث کا معلوم ہو جانا حکم کو سمجھنے کے لئے کافی ہوتا تو پھر نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد اقدس کا کیا معنی ہے؟ اس حدیث سے پتہ چلا کہ حدیث کا یاد ہونا اور ہے اور اس کا سمجھنا اور ہے۔ اور حدیث کی صحیح سمجھ اور اس سے مسائل نکالنا مجتہدین وفقہاء ہی کا کام ہے۔

﴿امام اعظم کا حدیث وفقہ میں مقام﴾

امام ابن حجر مکی شافعی اپنی کتاب "الخیرات الحسان" میں فرماتے ہیں کہ جلیل القدر تابعی اماموں میں سے ایک امام اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد امام المحدثین حضرت سلیمان اعمش علیہ الرحمۃ سے کسی نے کچھ مسائل پوچھے اس مجلس میں امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ

موجود تھے امام اعمش نے وہ مسائل ہمارے امام سے پوچھے تو آپ علیہ الرحمۃ نے فوراً جواب دے دیے امام اعمش نے کہا یہ جواب آپ نے کہاں سے نکالے تو امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ نے فرمایا یہ مسائل ان حدیثوں سے نکالے ہیں جو میں نے خود آپ ہی سے سنی ہیں پھر آپ نے وہ حدیثیں سند کے ساتھ امام اعمش کے سامنے ذکر کردیں یہ سن کر امام اعمش نے فرمایا "بس کیجئے جو حدیثیں میں نے آپ کو سو (۱۰۰) دن میں سنائیں آپ گھڑی بھر میں مجھے سنائے دیتے ہیں مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ ان حدیثوں پر یوں عمل کرتے ہیں۔ اے فقہ والو! تم طبیب ہو اور ہم محدث لوگ عطار ہیں یعنی دوائیں تو ہمارے پاس ہیں مگر ان کا طریقہ استعمال تم مجتہدین جانتے ہو اور اے ابوحنیفہ! تم نے فقہ وحدیث دونوں طرفوں کو لے لیا۔" وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

﴿چوتھی منزل﴾

اب باقی رہی چوتھی منزل اور تمھیں کیا معلوم کہ چوتھی منزل کیا ہے؟ چوتھی منزل تو تمام منازل میں سخت ترین ودشوار ہے اور اس کے مراحل پر چلنے والے نہیں مگر بہت ہی تھوڑے اس منزل کی قدر کون جانے؟ ایسے ہی موقع کے لئے حافظ شیرازی نے کہا، "اے حافظ! تو خاک نشین گدا ہے چیخ وپکار نہ کر کہ اپنی مملکت کے نظام کو بادشاہ ہی جانتے ہیں۔" مراد یہ کہ جس چیز کی حقیقت اور حکمت کو تو نہیں جانتا اس پر خواہ مخواہ اعتراض نہ کر۔

چوتھی منزل کے لئے واجب ہے کہ آدمی عرب کی تمام لغتوں اور ادب عربی کے تمام فنون کو اور مخاطب کرنے کے تمام اندازوں کو اور سمجھنے سمجھانے کے تمام طریقوں کو اور نظم قرآن وحدیث کی تمام اقسام اور معانی کی تمام صنفوں کو جانتا ہو نیز قرآن وحدیث میں بیان کیے گئے احکام کی علتیں نکالنے اور جن چیزوں پر احکام کا دارومدار ہوتا ہے ان کی چھان بین اور دو حکموں کے درمیان مشترک چیز معلوم کرنے اور دو حکموں کے درمیان فرق کرنے والی چیز کی پہچان پر قادر ہو

نیز علت کو ایک حکم سے دوسرے حکم کی طرف متعدی کرنے کی جگہوں اور علت کے اپنے حکم پر بند رہنے کے مقامات، کسی حکم کے بارے میں آیات واحادیث کے دلائل اور اس حکم کے بارے میں صحابہ کرام کے اقوال اور نئے اور پرانے تمام اماموں کے اقوال اور ان کے دلائل واقوال کے درمیان تعارض کے مقامات جانتا ہو، نیز بعض دلائل کو بعض پر ترجیح دینے کے طریقوں کا علم ہو اور دو دلیلوں میں تطبیق کے طریقے معلوم ہوں نیز دلیل کے درجات اور تاویل کے معرکوں اور عام حکم کو خاص کرنے کے راستوں اور مطلق کو مقید کرنے کے طریقوں اور قیودات لگانے کی جگہوں اور مقصود کے مواقع پر مکمل اطلاع ہو اور ایسے شخص کو گہری نظر اور بلند ذہن اور اعلیٰ بصیرت اور جانچ پرکھ کا بہترین مادہ حاصل ہو۔

﴿مجتہد کے قول کا انکار کرنا کیسا؟﴾

ان تمام باتوں کو امام شیخ الاسلام زکریا انصاری رحمۃ اللہ علیہ نے اختصار کے ساتھ یوں بیان فرمایا ''خبردار! مجتہد کے کسی قول کا انکار نہ کرو یا اسے خطا کی طرف منسوب نہ کرو جب تک شریعتِ مطہرہ کی تمام دلیلوں پر احاطہ نہ کرلو اور جب تک عرب کی ان تمام لغتوں کو پہچان نہ لو جن پر شریعت مشتمل ہے اور جب تک ان دلائل کے معانی اور ان کے راستے نہ جان لو۔'' اور ساتھ ہی امام زکریا علیہ الرحمۃ نے فرمایا ''بھلا تم کہاں اور کہاں یہ تمام دلائل کا احاطہ کرنا''؟ (اس قول کو امام عبدالوہاب شعرانی علیہ الرحمۃ نے ''میزان'' میں نقل کیا)۔

﴿فتاویٰ شامی کی عبارت کا جواب﴾

''ردالمحتار'' جس کی عبارت سوال میں نقل کی گئی ہے اس کی مذکورہ عبارت کے ساتھ ہی اس کلام کی وضاحت بھی کی گئی ہے چنانچہ فرمایا ''اِذَاصَحَّ الْحَدِیْثُ فَھُوَ مَذْھَبِی'' والا قول، ظاہر یہ ہے کہ یہ اس شخص کے حق میں ہے جو شرعی نصوص میں نظر رکھتا ہے اور ان کے محکم ومنسوخ کو پہچاننے کی صلاحیت رکھتا ہے تو جب اصحابِ مذہب دلیل میں نظر فرما کر اس پر عمل

کریں اس وقت اس حدیث کو امام کا مذہب قرار دیا جاسکتا ہے''۔

شک نہیں کہ جو شخص ہماری ذکر کردہ چار منازل کو طے کرلے وہ مجتہد فی المذہب ہے جیسے مذہب حنفی میں امام ابو یوسف وامام محمد ہیں، اور بلاشبہ ایسے اماموں کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ کسی حدیث کو خلافِ مذہب پا کر اسے قبول کرتے ہوئے امام کا مذہب قرار دیں اور وہ اپنے اس عمل کے باعث امام کے مذہب سے خارج نہ ہوں گے کہ اگرچہ انہوں نے اس خاص مسئلہ میں صورۃً امام کے مذہب کا خلاف کیا مگر حقیقۃً امام کے کُلّی اِذن واجازت پر عمل کیا۔ پھر ان بزرگوں کو حدیث پر عمل کی اجازت سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کا عمل بہر حال مذہبِ امام ہی ہو جائے بلکہ یہ ان کا گمان ہے۔ ہوسکتا ہے کہ چونکہ ان بزرگوں کا فہم وادراک امام صاحب کے فہم وادراک سے کم ہے تو حدیث کو جس مطلب پر ان بزرگوں نے محمول کیا امام صاحب اس کی کچھ اور توجیہ کرتے اور ان کا مفہوم قبول نہ کرتے۔

﴿امام ابو یوسف کا علمی مقام﴾

اپنی مذکورہ بات پر ہم بطورِ تائید یہ پیش کرتے ہیں کہ مذہبِ حنفی کے جلیل القدر امام، مجتہد فی المذہب حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ جن کا حدیث میں اعلیٰ مقام اپنوں اور بیگانوں سب کو مقبول ہے جیسا کہ امام شافعی کے جلیل القدر شاگرد حضرت امام مزنی علیہ الرحمۃ نے ان کے بارے میں فرمایا وہ قوم میں سب سے زیادہ حدیث کی پیروی کرنے والے ہیں اور امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ نے ان کے بارے میں فرمایا وہ حدیث میں انصاف رکھنے والے تھے اور امام یحییٰ بن معین نے اپنے شدید تشدد کے باوجود فرمایا کہ ''احناف میں ابو یوسف سے بڑھ کر کوئی زیادہ حدیثوں والا اور مضبوط آدمی نہیں'' نیز فرمایا ''وہ حدیث اور سنت والے تھے'' امام ابن عدی نے اپنی کتاب ''کامل'' میں ان کے بارے میں فرمایا ''احناف میں امام ابو یوسف سے زیادہ حدیثوں والا کوئی نہیں'' اور امام ذہبی شافعی نے امام ابو یوسف کو حُفّاظِ حدیث میں شمار کیا اور اپنی

کتاب " تَذْکِرَۃُ الْحُفَّاظِ "میں ان کے لئے عنوان یہ رکھا" امام علاّمہ عراقیوں کے فقیہ"۔

﴿ امام ابو یوسف بارگاہِ امام اعظم میں ﴾

یہ امام ابو یوسف اپنی اس مذکورہ جلالتِ شان کے باوجود حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرماتے ہیں "کبھی ایسا نہ ہوا کہ میں نے کسی مسئلہ میں امام اعظم سے اختلاف کر کے اس میں غور کیا ہو مگر یہ کہ ہمیشہ انہی کے مذہب کو آخرت میں زیادہ نجات دینے والا پایا اور بہت دفعہ ایسا ہوتا کہ میں حدیث کی طرف جھکتا مگر تحقیق کے بعد پتہ چلتا کہ امام اعظم حدیث پر زیادہ گہری نظر رکھنے والے ہیں" "نیز امام ابو یوسف نے فرمایا" کہ امام اعظم جب کسی قول پر جزم (یقین) فرمالیتے تو میں کوفہ کے آئمہ محدثین کے پاس جاتا تاکہ دیکھوں کہ امام صاحب کے قول کی تقویت میں کوئی حدیث یا اثر ہے یا نہیں تو بہت دفعہ میں دو یا تین اثر پالیتا۔ میں وہ احادیث لے کر امام اعظم کے پاس آتا تو آپ کسی حدیث کے بارے میں فرماتے صحیح نہیں کسی کو فرماتے معروف نہیں میں کہتا حضور آپ کو اس کی کیا خبر؟ یہ حدیث تو آپ کے موافق ہے تو آپ فرماتے کہ میں اہلِ کوفہ کے علم کا عالم ہوں (یہ تمام اقوال امام ابن حجر نے "اَلْخَیْرَاتُ الْحِسَانُ" میں ذکر فرمائے)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ امام اعظم نے جو یہ فرمایا کہ جب حدیث صحیح ہو جائے تو وہ میرا مذہب ہے یہ آج کل کے احمق و جاہل وہابیوں یا دیگر درجہ اجتہاد تک پہنچنے کا دعوی کرنے والوں کے لئے ہرگز نہیں اور نہ ہی یہ لوگ اس کے اہل ہیں آج کل کے دعویٔ اجتہاد کرنے والوں کی حالت تو یہ ہے کہ عام علماء کا کلام سمجھنے کی انہیں لیاقت و صلاحیت نہیں تو یہ دین کے عظیم ستونوں اور جلیل القدر مجتہدین کے اجتہاد کو کیسے پرکھ سکتے ہیں؟ سوال کرنے والوں نے یہی "ردالمحتار" غور سے دیکھی ہوتی تو انہیں پتہ چلتا کہ امام ابن الشحنہ اور علامہ محمد بن محمد البہنسی استاد علامہ نور الدین علی قادری باقانی اور علامہ ابن نجیم مصری صاحبِ نَہرُ الْفَائِقِ اور علامہ محمد بن

علی دمشقی صاحبِ دُرِمختار جیسے عظیم بزرگوں کے بارے میں تصریح کی ہے کہ امام کے مذہب کی مخالفت کرنا تو درکنار مذہبِ امام کی مختلف روایتوں میں سے ایک کو راجح قرار دینے کی بھی اہلیت نہیں چنانچہ کتاب الشھادات باب القبول میں علامہ سائحانی سے منقول ہے "ابن الشحنہ اہلِ اختیار سے نہیں اور کتاب الزکاۃ باب صدقۃ الفطر میں ہے محمد بن محمد البہنسی اصحابِ تصحیح میں سے نہیں اور کتاب النکاح باب الحضانۃ میں ہے صاحب نہر الفائق اہلِ ترجیح سے نہیں اور کتاب الرھن میں ایک بحثِ علامہ شارح علاء الدین حصکفی کی نسبت فرمایا" بحث اور قیاس کے ذریعے اس مسئلہ کو ثابت کرنے کی حاجت نہیں کیونکہ ہم اس کے اہل نہیں ہیں خود مذہب حنفی کے بڑے بڑے اراکین اور جلیل القدر، عظیم المرتبت بزرگ جیسے امام کبیر خصاف اور امام ابو جعفر طحاوی اور امام ابوالحسن کرخی، امام شمس الآئمہ حلوانی اور امام شمس الآئمہ سرخسی اور امام فخر الاسلام علی بزدوی اور امام قاضیخان فقیہ النفس اور امام ابو بکر رازی اور امام ابوالحسن قدوری اور امام برہان الدین فرغانی صاحبِ ھدایہ ان سب بزرگوں کے بارے میں علامہ ابن کمال باشا رحمہ اللہ تعالی سے تصریح نقل کی ہے کہ ان میں سے کوئی بھی امام کی مخالفت پر قادر نہیں نہ اصول میں اور نہ ہی فروع میں۔

خدا کے واسطے! سوچو کہ تم نے اللہ کی بارگاہ میں جانا اور اسے منہ دکھانا ہے تھوڑی دیر کے لئے منہ زوری، ہٹ دھرمی اور ڈھٹائی چھوڑ کر اپنے گریبان میں منہ ڈالو اور ان مذکورہ جلیل القدر بزرگوں کے سامنے اپنی صلاحیت ولیاقت کو دیکھو تو شاید تمہیں علم ہو کہ تمھاری صلاحیت ان کے مقابلے میں ساتویں زمین سے نیچے بھی نظر نہ آئے اور حقیقت تو یہ ہے کہ تم ان بزرگوں کے شاگردوں کے شاگردوں کی شاگردی اور ان کے جوتے اٹھانے کی لیاقت نہیں رکھتے۔

جو شکار شیروں کی جست (پہنچ) سے باہر ہو اس پر گیدڑ لومڑیاں حملہ کرنے کی کوشش کریں تو سوائے بے وقوفی کے اور کیا ہے؟ یعنی حدیث سے مسئلہ نکالنا مثل شکار کے ہے اور

مذکورہ بزرگ شیر اور وہابی لومڑیاں گیدڑ تو مسئلہ نکالنا جب عظیم بزرگوں کے لئے ممکن نہیں تو وہابی جاہلوں کے بس میں کیسے ہو سکتا ہے؟ ہاں جسے شیطان اپنا مرید بنا لے اور شیطان اسے تمام اماموں کے مقابل اپنی تقلید کے لئے "اَنَا خَیرٌ" مِنہُ' (میں اس سے بہتر ہوں) سکھائے تو اس کا کچھ ذکر نہیں۔

جانِ برادر! دین سنبھالنا مقصد ہے یا بات پالنا؟ چند منٹ تک ناراضگی، جھنجھلاہٹ، شوخی اور تلملاہٹ کو چھوڑ کر ذرا وہابیوں کے اجتہاد کی لیاقت کے دعوؤں کے آثار دیکھو تمام غیر مقلدوں کے سردار، سب سے اونچی چوٹی کے کوہِ پُرشکوہ، وہابیوں کے سب سے بڑے محدث، توحید کا دعوی کرنے والے، یکتا امام، علامۃ الدہر اور زمانے بھر کے مجتہد جناب میاں نذیر حسین دہلوی صاحب نے دو نمازوں کو ایک وقت میں جمع کرنے کے بارے میں ایک رسالہ لکھا جس کی سخت و واضح غلطیاں ہم نے اپنے رسالے "حاجز البحرین" میں ذکر کی ہیں جسے تفصیل دیکھنا منظور ہو وہ ہمارے رسالہ میں دیکھے یہاں ہم اجمال کے ساتھ میاں صاحب کی غلطیاں ذکر کرتے ہیں چنانچہ میاں نذیر حسین دہلوی کی صرف ایک حدیث میں غلطیوں کا اندازہ لگائیں:

﴿وہابیوں کے شیخ الکل کی اصولِ حدیث سے جہالت﴾

(۱) حضرت کو ضعیفِ محض اور متروک میں تمیز نہیں (۲) تشیع اور رفض میں فرق کا پتہ نہیں (۳) فُلان" یغربُ اور فُلان" غَریبُ الحَدیثِ میں فرق نہیں (۴) غریب اور مُنکر میں تفریق کا پتہ نہیں (۵) فُلان" یَھِمُ کو وہمی سمجھتے ہیں حالانکہ دونوں میں بہت فرق ہے (۶) لَہٗ اَوھَام" کو بھی وہمی سمجھتے ہیں حالانکہ دونوں میں فرق ہے (۷) حدیث مرسل کو مردود سمجھتے ہیں اور مدلِّس کے عنعنہ کو قبول کرتے ہیں حالانکہ مرسل مقبول ہوتی ہے اور مدلِّس کا عنعنہ مردود ہوتا ہے (۸) اور بہت زیادہ جہالت یہ کہ اگر کوئی محدث دو تین راوی چھوڑ کر اوپر سے سند ذکر کرے اور پھر اپنے سے سند اوپر تک لے جائے تو وہ معلّق نہیں رہتی مگر مولوی نذیر صاحب نے اسے معلّق

قرار دیا مذکورہ امر کی مثال یہ ہے کہ محدث کہے رَوَاہُ مَالِكٌ" عَنْ نَافِعٍ عَن ابن عمر حدثنا بذلك فلان عن فلان عن مالك (۹) صحیح حدیثوں کو نری زبانی زور بندیوں سے مردود و منکر اور واہیات قرار دیا (۱۰) حدیثِ ضعیف جس کے منکر اور معلول ہونے کی امام بخاری اور دیگر بڑے بڑے اماموں نے تصریح کی مولوی صاحب نے محض اِدھر اُدھر کی تقریریں کر کے اسے صحیح بتایا (۱۱) ان کے نزدیک حدیث صرف اسی صورت میں ضعیف ہوتی ہے جب اس کے راوی ضعیف ہوں حالانکہ اور بھی بہت سی وجوہ سے حدیث ضعیف ہوتی ہے یونہی جہاں ثقہ راوی جمع ہوں وہاں ان کے نزدیک حدیث لازماً صحیح ہوتی ہے اگرچہ وہاں پر عِلَلِ قَوادِح (خرابی ڈالنے والی علتیں) موجود ہیں (۱۲) راویوں کی پہچان میں ایسی جہالت کہ عظیم القدر، جلیل الفخر مشہور و معروف تابعی حضرت امام سلیمٰن اعمش علیہ الرحمۃ کو سلیمٰن بن ارقم ضعیف سمجھ لیا (۱۳) خالد بن الحارث ثقہ ثبت کو خالد بن مخلد قطوانی کہہ دیا (۱۴) ولید بن قاسم ثقہ مشہور کو ولید بن قاسم بنا لیا (۱۵) اس اصول سے بالکل غافل کہ حدیثِ ضعیف کی متعدد سندیں آجائیں تو وہ قوی ہو جاتی ہے (۱۶) راوی مجروح (جس پر جرح کی گئی ہو) اور مرجوح کے درمیان واضح فرق سے جاہل ہیں (۱۷) متابع اور مدار میں فرق کرنا مولوی صاحب کے لئے مشکل ہے پھر صاف صاف ثقہ راویوں کی متابعت کے باوجود حدیث کو صرف اس وجہ سے نا قابلِ اعتبار قرار دے دیا کہ اس کی بعض سندوں میں ضعف ہے حالانکہ متابعت کی وجہ سے حدیث قوی ہو جاتی ہے (۱۸) ایک حدیث کے معنی واضح کرنے والی دیگر اس کے ہم معنی حدیثیں جو عام استعمال ہونے والی کتابوں حتّٰی کہ بخاری و مسلم اور ترمذی و نسائی و ابن ماجہ و ابو داؤد میں موجود ہیں ان کا تلاش کر کے پالینا مولوی صاحب کے لئے محال ہے تو باقی کتابوں سے اس حدیث کی سندیں اور الفاظ جمع کر کے حدیث کے معنی ومفہوم کی تحقیق کرنا کیونکر ممکن ہو سکتا ہے (۱۹) مولوی صاحب کا مَوقف یہ ہے کہ حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے کے بارے میں اماموں کے اقوال

بھی مقبول ہیں جب ان کی تصانیف میں مذکور و منقول ہوں ورنہ اگر معتمد وثقہ لوگوں نے ان کے اقوال نقل کئے ہوں تو مردود و نا قابلِ قبول ہیں (۲۰) بخاری و مسلم کے جلیل القدر راویوں کو بلا وجہ اور بغیر کسی الزام کے کسی کو مردود اور کسی کو خبیث اور کسی کو متروک الحدیث قرار دیا جیسے امام بشر بن بکر تینیسی اور محمد بن فضیل بن غزوان کوفی و خالد بن مخلد ابوالہیثم بجلی جیسے جلیل القدر راویوں کے بارے میں یہ الفاظ کہے۔ یہ تو بخاری و مسلم کے خاص خاص راویوں کے بارے میں لب کشائیاں ہیں اس سے بڑھ کر سنیئے کہ:۔

﴿شیخ الوہابیہ کے سات اصول﴾

مولوی صاحب کی حدیث دانی نے صحاح ستہ کو رد اور باطل کرنے کے لئے سات اصول بنائے کہ:۔

جس راوی کو " تقریب "میں صَدُوق رمی بالتَّشَیُّعِ (۱) یا صدوق مُتَشَیِّع " (۲) یا ثقة یغرب(۳) یا صدوق یخطئی(٤) یا صدوق یَهِمُ (٥) یا صدوق لهٗ اَوْهَام" (٦) لکھا ہو وہ سب ضعیف و مردود الروایۃ اور متروک الحدیث ہیں حالانکہ باقی کتبِ صحاح تو درکنار خود بخاری و مسلم میں ایسے دو چار نہیں دس بیس نہیں بلکہ سینکڑوں راوی ہیں اور ساتواں قاعدہ یہ بنایا کہ جس سند میں کوئی راوی بغیر نسب کے ذکر ہو مثلاً حدثنا خالد عن شعبة عن سلیمٰن تو ایسے راوی کو جس طبقے کا وہ ہو اس میں سے جو ضعیف راوی اس نام کا ہو اندھا دھند وہی شمار کر لیا جائے اور اس راوی کی حدیث کو ضعیف و ساقط قرار دے دیا جائے۔

اگر مولوی صاحب کے ان سات (۷) قواعد کو سامنے رکھ کر بخاری و مسلم کی طرف نظر کریں اور ان اصولوں کی وجہ سے جو جو حدیثیں رد ہوتی جائیں اگر ہم انھیں نکالتے جائیں تو یہ دونوں کتابیں آدھی، تہائی بھی باقی نہیں رہ جائیں گی۔ اگر باقی رہ جائیں تو میرا ذمہ ہے خدا نہ کرے کہ آئمہ کی تقلید کرنے والوں میں سے کوئی متوسط طالبعلم بھی اتنا بوکھلایا ہو۔ معاذاللہ جب

ایک مسئلہ میں مولوی صاحب کا یہ حال ہے تو تمام مسائل میں کیا حال ہوگا؟ جب وہابیوں کے چوٹی کے امام اور سب سے بڑے اور پرانے محدث و مجتہد کا محض ایک مسئلہ میں یہ حال ہے تو چھوٹے موٹے احمق و جاہل وہابیوں کا شمار کس گنتی میں ہے؟

﴿مرزا صاحب وشاہ صاحب کے کلام کی نفیس تقریر﴾

مرزا مظہر جانجاناں اور شاہ ولی اللہ صاحب کیا ایسے بدعقل اور بے شعور تھے کہ شریعتِ الٰہیہ کے احکام ثابت کرنے اور حضور پر نور ﷺ کی احادیث سمجھنے کی باگ ایسے بے مہاروں اور بے عقل ناکاروں کے ہاتھ میں دیتے؟ ان بزرگوں کے اقوال کا مطلب بھی وہی ہے کہ جو اس کا اہل ہو اسے عمل کی اجازت بلکہ ضرورت ہے نہ کہ ان بیوقوفوں نا اہلوں کو جو ترمذی و مشکوٰۃ کے ترجمے میں ہلدی کی گرہ پائیں اور پنساری بن جائیں یا کوئی بنگالی بھوپالی جب کسی امام کے مذہب کو اپنے گمان میں حدیث کے خلاف پائیں تو اللہ عزوجل اماموں کی تقلید حرام کر کے فرض فرمادے کہ بھوپالی بنگالی پر ایمان لے آئیں۔

جان برادر! یہ تقلید تو پھر بھی رہی ابوحنیفہ و محمد کی نہ سہی بھوپالی و بنگالی کی سہی۔ وائے بے انصافی! شاہ صاحب و مرزا صاحب کے کلام کے یہ معنی جانیں اور انہیں معاذاللہ عقل کے دائرے سے خارج مانیں حالانکہ دونوں صاحبوں کے ہادی، مرشدِ اعلیٰ دونوں صاحبوں کے آقائے نعمت، مولائے بیعت، دونوں صاحبوں کے امام ربانی جناب شیخ مجدد الف ثانی صاحب اپنے " مکتوبات جلد اول مکتوب نمبر ۳۱۲ "میں فرماتے ہیں۔

﴿تقلید کے بارے میں شیخ مجدد کا کلام﴾

پہلا قول:

" اے مخدوم! قعدہ میں انگلی کے ساتھ اشارہ کرنا بہت سی احادیثِ نبویہ میں آیا ہے اور حنفیوں کی بعض روایتوں میں اشارہ کا ذکر آیا ہے لیکن وہ ظاہرِ مذہب کے خلاف ہے اور وہ جو امام

محمد علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ اشارہ کرتے تھے اور ہم بھی اسی طرح کریں گے جیسا نبی کریم ﷺ کرتے تھے امام محمد کا یہ فرمان نادر الروایۃ سے ہے ظاہر الروایۃ میں نہیں لہذا جب معتبر روایتوں میں اشارہ کرنے کی حرمت آئی ہے اور اشارہ کرنے کی کراہت پر علماء نے فتویٰ دیا ہے تو ہم مقلدوں کو یہ حق نہیں کہ حدیثوں پر عمل کریں اور اشارہ کرنے کی جرأت کریں کیونکہ ہمارا اشارہ کرنے کا اور حدیث پر عمل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ آئمہ حنفیہ اور مجتہدین یا تو حدیث سے لاعلم تھے اور یا پھر انہوں نے حدیث کے برخلاف حکم دیا اور یہ دونوں امر فاسد وغلط ہیں کیونکہ اس بات کو جائز قرار دینے والا یا تو بے وقوف ہے یا دشمن وعناد رکھنے والا۔ مجتہدین پر یہی حسنِ ظن رکھنا چاہیے کہ جب تک ان پر دلیل ظاہر نہ ہو وہ حرمت یا کراہت کا حکم نہیں لگاتے۔ غایت یہ ہے کہ ہمیں اس دلیل کا علم نہیں اور یہ بات ان اکابر کی شان میں کوئی خرابی نہیں ڈالتی اور اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ ہمیں امام کے قول کے خلاف دلیل کا علم ہے تو ہم کہتے ہیں کہ حلت و حرمت ثابت کرنے میں مقلد کا علم معتبر نہیں ہے اس باب میں مجتہد کا ظن معتبر ہے یہ بزرگانِ دین اپنے قربِ زمانہ نبوی اور کثرتِ علم اور تقویٰ کے حاصل ہونے کی وجہ سے ہم دُور کے زمانے کے لوگوں سے زیادہ احادیث کو جانتے ہیں اور حدیث کے صحیح اور ضعیف اور منسوخ ہونے اور نہ ہونے کو ہم سے زیادہ پہچانتے ہیں البتہ کوئی خاص وجہ ہوتی ہے کہ جس کی وجہ سے یہ حدیث کو ترک کرتے ہیں اور وہ جو امام اعظم کا قول ہے کہ ''اگر کوئی حدیث میرے قول کے خلاف پاؤ تو حدیث پر عمل کرو'' آپ کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ وہ حدیث جو امام صاحب کو نہیں پہنچی اور عدمِ علم کی وجہ سے حدیث کے خلاف قول کیا اور اشارہ کرنے کی حدیث اس قبیل سے نہیں اگر کوئی کہے کہ علماءِ حنفیہ نے قعدہ میں اشارہ کرنے کے جواز پر بھی فتویٰ دیا ہے لہذا تعارض کے سبب ہم جس فتویٰ پر چاہیں عمل کرلیں تو ہم اس جواب میں کہیں گے کہ جب جواز اور عدمِ جواز میں تعارض واقع ہو تو عدمِ جواز کو ترجیح ہوتی ہے''۔

دوسرا قول:

نیز حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے رسالہ ''مبدء و معاد'' میں فرمایا ''عرصۂ دراز سے دل میں یہ آرزو تھی کہ مذہب حنفی میں کوئی ایسی صورت نکلے کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھی جائے لیکن میں نے مذہبِ حنفی کی رعایت کرتے ہوئے اسے ترک کیے رکھا کیونکہ یہ ترک بھی عبادت و ریاضت میں شمار ہے بالآخر مذہبِ حنفی کی رعایت کرنے کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مقتدی کے سورۂ فاتحہ ترک کرنے کی حقانیت ظاہر فرمادی اور نظرِ بصیرت میں قراءتِ حکمی کو قراءتِ حقیقی سے زیادہ پسندیدہ دکھایا''۔

غور فرمائیں! اور اب بزرگوں کے اقوال کی خبر کہیں یہ ان بزرگوں کے بزرگ اور بڑوں کے بڑے اور اماموں کے امام حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کیا فرمارہے ہیں؟ عمل بالحدیث کے باطل دعوے پر کیسی کیسی بجلیاں گرا رہے ہیں؟ اور کیسے گھنگھور بادل برسا رہے ہیں؟

نمبر (۱): صراحت کے ساتھ تسلیم کرلیا کہ التحیات میں انگلی اٹھانا سید عالم ﷺ کی بہت سی حدیثوں میں وارد ہے۔

نمبر (۲): وہ حدیثیں معروف ومشہور ہیں۔

نمبر (۳): مذہبِ حنفی میں بھی اختلاف ہے روایتِ نوادر میں خود امام محمد علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے اشارہ فرمایا ہم بھی کریں گے۔

نمبر (٤): صاف یہ بھی فرمادیا کہ یہی قول امام اعظم رضی اللہ عنہ کا ہے۔

نمبر (٥): نہ صرف روایت بلکہ علماءِ حنفیہ کا فتویٰ بھی دونوں طرف ہے لیکن ان تمام باتوں کے باوجود صرف اس وجہ سے کہ اشارہ کرنے کی روایات، ظاہر الروایۃ نہیں ہیں صاف صاف فرماتے ہیں کہ ہم مقلدوں کو جائز نہیں کہ حدیثوں پر عمل کر کے اشارہ کی جرأت کریں جب ایسی

سہل ونرم حالت میں امام ربانی کا قاہر ارشاد ہے تو جہاں فتویٰ حنفیہ مختلف نہ ہو، جہاں سر
سے اختلاف روایت ہی نہ ہو وہاں امام کے مذہب کے خلاف حدیث پر عمل کرنے کو کیا کچھ
فرمائیں گے۔

کیوں صاحبو! کیا انہی (مجدد پاک) کو شاہ ولی اللہ صاحب نے کہا تھا کہ کھلا احمق
یا چھپا منافق اَستَغفِرُاللّٰہ !اَستَغفِرُاللّٰہ !ذرا تو شرماؤ! ذرا تو ڈرو! شاہ صاحب کی بزرگی سے حیا
کرو !ان کی کیا مجال تھی کہ وہ جناب مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے بارے میں اب
مردود و ناپسندیدہ گمان کرتے ؟ وہ تو انہیں قطب الارشاد وہادی ومرشد اور بدعتوں کو دفع کر
والا جانتے ہیں اور ان کی تعظیم کو خدا کی تعظیم اور ان کے شکر کو اللہ کا شکر مانتے ہیں چنانچہ شاہ و
اللہ صاحب اپنے مکتوب ھفتم میں لکھتے ہیں ''شیخ مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ اس زمانے ک
قطبِ ارشاد ہیں اور ان کے ہاتھ پر بہت سے گمراہ لوگوں نے بدعت سے نجات پائی۔ شیخ ک
تعظیم اس اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے جو کائنات کو وجود میں لانے والا ہے اور شیخ کا شکر ادا کرنا اللہ تعالیٰ
کا شکر ادا کرنا ہے (اللہ تعالیٰ ان کے اجروں کو زیادہ کرے)۔

﴿شیخ الوہابیہ کا مجدد پاک پر فتویٔ شرک﴾

شاید مولوی نذیر حسین دہلوی کی چوٹ حضرت مجدد صاحب پر ہی ہے کہ معیار الحق
میں لکھتے ہیں '' آج کل کے بعض لوگ اسی تقلید معین کے التزام سے مشرک ہو رہے ہیں کہ مقابلہ
میں روایتِ کیدانی کے اگر حدیثِ صحیح پیش کرو تو نہیں مانتے اسی مسئلہ اشارہ میں روایتِ کیدانی
پیش کی جاتی ہے جناب مجدد صاحب نے ''فتوی غرائب و جامع الرموز و خزانۃ الروایات
وغیرھا'' پیش کیں وہ بات ایک ہی ہے یعنی فقہی روایت کے مقابلے میں حدیث نہ ماننا اب دیکھ
لیں کہ حضرت مجدد صاحب کا فقہی روایت لانا اور ان کے سبب صحیح حدیثوں پر عمل نہ فرمانا او
میاں جی دہلوی صاحب کا بے دھڑک شرک کی جڑ سمجھنا۔ خدا ایسے شرک پسندوں کے سائے

بچائے خیر یہ تو میاں جی جانیں اور ان کا کام۔

﴿کلام مجدد کے فوائد﴾

پہلا فائدہ:

پہلا فائدہ تو یہی ہے کہ انہوں نے اپنے کلام کے ذریعے میاں نذیر حسین دہلوی کا
صریح رد کر دیا۔

دوسرا فائدہ:

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے یہ بھی فرمادیا کہ امام کے اقوال کے مقابلے
میں رفع یدین اور فاتحہ خلف الامام اور التحیات میں انگلی اٹھانے کی حدیثوں جیسی مشہور
حدیث پیش کرنا بے وقوفوں اور جاہلوں کا کام ہے یا ہٹ دھرم اور عناد رکھنے والے کا، کیونکہ وہ
حدیثیں نہ تو امام سے چھپی ہوئی تھیں اور نہ معاذاللہ امام صاحب اپنی رائے سے حدیث کا
خلاف کرنے والے ہیں بلکہ ضرور کسی دلیلِ قوی شرعی کی وجہ سے اس حدیث پر عمل نہ فرمایا۔

تیسرا فائدہ:

حضرت مجدد پاک نے فرمادیا کہ ہمیں احادیث کا جواب معلوم ہو جانا بھی ضروری نہیں
بلکہ اس قدر اجمالاً جان لینا کافی ہے کہ ہمارے عالموں کے پاس جواب موجود ہوگا۔

چوتھا فائدہ:

یہ بھی فرمادیا کہ ہمارے علم میں مذہبِ حنفی کے کسی مسئلہ پر دلیل نہ ہونا تو ایک طرف
اگر صراحۃً اس مسئلہ کے خلاف ہمیں دلیل معلوم ہو جائے جب بھی ہمارا علم کچھ معتبر نہیں بلکہ اسی
مسئلہ پر عمل رہے گا۔

پانچواں فائدہ:

یہ بھی فرمادیا کہ ہمارے بزرگ علماء کو جیسا حدیث کا علم تھا، جیسا وہ صحیح وضعیف اور

منسوخ وناسنوخ پہچانتے تھے بعد کے لوگ ان کی برابری نہیں کرسکتے کیونکہ انہیں نہ ویسا علم اور نہ ہی یہ زمانہ رُسالت کے اس قدر قریب ہیں جب حضرت مجدد علیہ الرحمۃ اپنے زمانے کے بارے میں یہ فرمارہے ہیں تو اب تو اس پر بھی تین سو (۳۰۰) برس گزر چکے آج کل کے اُلٹے سیدھے چند حرف پڑھنے والے اماموں کی برابری کی کیا لیاقت رکھتے ہیں؟

چھٹا فائدہ:

اس شرط کی بھی تصریح فرمادی کہ امام کے جو اقوال صحیح حدیث کو قبول کرنے اور قول امام کو ترک کرنے کے بارے میں ہیں وہ اسی حدیث کے بارے میں ہیں جو امام کو نہ پہنچی اور اس حدیث سے امام کے قول کی مخالفت عدمِ علم کی بنا پر ہو یہ نہیں کہ مذہبِ حنفی کے اصول کی بنا پر وہ حدیث مرجوح یا مؤوّل یا متروک العمل تھی تو بھی اس پر عمل کیا جائے گا کہ اس طرح تو بحالتِ اطلاع بھی مخالفت جائز ہوجائے گی۔

ساتواں فائدہ:

حضرت مجدد پاک کی علمی جلالت سے تو ان لوگوں کو بھی انکار نہ ہوگا یہی حضرت مرزا مظہر جانجاناں صاحب جن کو بزرگ جان کر ان کے کلام کو دلیل بنایا گیا وہ جناب مجدد پاک کو قابلِ اجتہاد خیال کرتے ہیں چنانچہ اپنے ملفوظات میں فرمایا ''میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ مجدد الف ثانی کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا ان جیسا اور میری امت میں کون ہوگا؟''

اس قول کو سامنے رکھتے ہوئے غور فرمائیں کہ جب ان جیسے بزرگوں کے بزرگ ارشاد فرمائیں کہ ہم مقلدوں کو امام کے قول کے خلاف حدیثوں پر عمل جائز نہیں اور جو اس کا مرتکب ہو وہ احمق، بے ہوش ہے یا ناحق باطل کے لئے کوشش کرنے والا ہے تو پھر آج کل کے چھوٹے مدّعی کسی گنتی میں رہے یہ سات فائدے مکتوبات کی عبارت کے تھے۔

آٹھواں فائدہ:

اگرچہ امام کے قول کی حقانیت اپنے خیال میں نہ آئے مگر عمل اسی پر کرنا لازم کیونکہ یہی اللہ عزوجل کو پسند اور یہی برکت کا باعث ہے دیکھو ایک مدت تک امام کے پیچھے قراءت کرنے کے بارے میں مذہبِ حنفی کی حقانیت مجدد صاحب پر ظاہر نہ ہوئی قراءت کرنے کو دل چاہتا تھا مگر مذہبِ حنفی کی رعایت کرتے ہوئے نہ کیا یہی ڈھونڈتے رہے کہ خود مذہبِ حنفی میں کوئی راہ نکلے جس سے امام کے پیچھے قراءت کرنا جائز ہوجائے۔

نواں فائدہ:

اس سوال کا بھی صاف جواب دے دیا کہ ایک مسئلہ میں بھی اگر امام صاحب کے قول کا خلاف کیا اگرچہ اسی بنا پر کہ اس مسئلہ کے بارے میں مذہبِ حنفی کی حقانیت ظاہر نہ ہوئی تو مذہبِ حنفی سے نکل جائے گا کیونکہ آپ نے اسے نقل از مذہب فرمایا۔

دسواں فائدہ:

یہ سخت شدید اور قہر والا حکم دیکھیئے کہ جو ایسا کرے وہ ملحد ہے اب حضرات اپنے ایمان کے بارے میں جو مناسب جانیں مانیں۔ چاہیں حضرت مجدد صاحب کے نزدیک معاذاللہ شاہ صاحب اور مرزا صاحب کو بے وقوف اور عناد رکھنے والے اور ملحد و بے دین قرار دیں اور چاہیں تو ان دونوں صاحبوں کے نزدیک حضرت مجدد صاحب کو باطل کا دعوی کرنے والے اور امام کے مخالف اور معاذاللہ کھلا احمق یا چھپا منافق ٹھہرائیں۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

لہذا واضح طور پر معلوم ہوا کہ سوال میں جو مرزا صاحب اور شاہ صاحب کے اقوال ذکر کئے گئے جن میں حدیث کے صحیح ہونے کے وقت قولِ امام کو چھوڑنے کا تذکرہ ہے وہاں حدیث کی صحت سے مراد وہی صحتِ عملی ہے جس پر اطلاع پانا اہلِ نظر فقہاء اور مجتہد فی المذہب

بزرگوں کا کام ہے اس توجیہ سے نہ تو بزرگوں کے کلام میں تعارض رہا اور نہ ہی ان میں کوئی حرف ہمارے مخالف رہا (تحقیق یونہی ہونی چاہیے اور اللہ تعالی ہی توفیق دینے والا ہے)۔

یہ بحث بہت زیادہ لمبی تھی اور اس کے بہت سے پہلو تھے جن میں طویل کلام کے لئے عظیم کتاب کی ضرورت تھی مگر جو قلیل ہو کر کفایت کرے وہ اس کثیر سے بہتر ہے جو کفایت نہ کرے۔

حضرات ناظرین ! خاص اس بحث اور متعلقہ سوال پر نظر رکھیں اور بحث سے اِدھر اُدھر نکلنا جو جاہلوں اور عاجزوں کا کام ہے اس سے گریز کریں۔ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِيْنَ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ مناسب ہے کہ ان مختصر سطروں کا بلحاظِ حالِ مضامین اَلْفَضْلُ الْمَوْهَبِيْ فِيْ مَعْنٰى اِذَا صَحَّ الْحَدِيْثُ فَهُوَ مَذْهَبِيْ نام رکھیں اور تاریخی اعتبار سے اس کا نام اَعَزُّ النُّكَات بِجَوَابِ سُوَالِ اركَات رکھیں رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ آمِيْن وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَاللّٰهُ سُبْحٰنَهٗ وَتَعَالٰى اَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ اَجَلُّ وَمَجْدُهٗ اَتَمُّ وَاَحْكَمُ۔

کتبہ : عَبْدُهُ الْمُذْنِبُ اَحْمَد رَضَا الْبَرَيْلَوِيُّ عُفِيَ عَنْهُ بِمُحَمَّدِ الْمُصْطَفٰى النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ صلی اللہ علیہ وسلم

المتن

الفضل الموهبي في معنى اذا صح الحديث فهو مذهبي

مصنف:

امام اہلسنت مجدد دین وملت حامئ سنت قاطع بدعت اعلیحضرت مولانا الشاہ الامام القاری الحافظ المفتی احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن